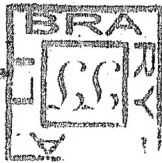


گنجینہ جوہر

از

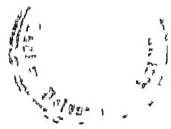
دوست قدوائی



ناشران

محراب ادب کراچی

14-70



Handwritten signature or initials.

CHEC. FEB 2002

M.A. LIBRARY, A.M.U.



U17035

Handwritten mark, possibly a date or initials.

Handwritten initials or mark.

عرض مدعا

محراب ادب کو اس وقت تک جن کتابوں کی طباعت و اشاعت کا فخر حاصل ہوا ہے صحیح معنی میں خدمت ادب و ملت کی ایک روشن مثال ہے۔ خدائے تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ہر کتاب اپنی جامعیت اور گونا گوں خوبیوں کے اعتبار سے منظر عام پر آئے ہی وقیع نظر سے دیکھی اور ہاتھوں ہاتھ لی جاتی ہے۔

محراب ادب کا معیار ادب ارباب ادب سے پوشیدہ نہیں۔ بلکہ معنوی اور عملی نقطہ نظر سے روز روشن کی طرح ظاہر ہے کہ محراب ادب کی تمام نشریات میں نام اور نصیب العین کو بالائزہ تمام مقدم رکھا گیا ہے۔ یہاں تک کہ ناول اور افسانے بھی خراب اخلاق اور عامیانہ نہیں ہوتے، بلکہ ادب و اخلاق اصلاح و تعمیر کی سنگین بنیادوں پر قائم ہوتے ہیں۔

اکابرین ملت اور مشاہیر ادب کی تصانیف پر تو کچھ عرض کرنا محض تکمیل حاصل ہے۔ مثال کے طور پر ”کنجینہ جوہر“ شہید ملت مولانا محمد علی جوہر رحمۃ اللہ علیہ کا مجموعہ کلام بلاغت نظام ہے مولانا کی ذات اور ان کے صفات پر حروف ستائش کی اہل قلم حضرات نے کوئی گنجائش نہیں چھوڑی۔ مولانا کی شخصیت بجا خود

تعریف و توصیف سے مستغنی ہے۔ پھر اس قلم حضرات کے جذبات
عقیدت نے ادب و صحافت میں مولانا کی جو یادگاریں قائم کی
ہیں ان کے پیش نظر مولانا کی ذات منجملہ حیات جاوید ہے۔

قطع ذیل مولانا کے ہنگام وفات پر متعدد اخبارات و رسائل
میں شائع ہوا تھا۔ مگر یہ کہے خبر تھی کہ بیس سال بعد پھر اس قطعہ تاریخ
کا ستارہ جگمگے گا۔ اور ”گنجینہ جوہر“ کے دامن میں اسے جگہ ملیگی
شاید منعم حقیقی کی جانب سے یہ انعام خلوص و عقیدت ہے۔
اُس فدا کے قوم جوں از خلق رفت رہن غم گشتہ زمین و آسماں
سال تاریخش حمایت بر توشت از جہاں رفتہ نصیب شمنان

۳۹ ۱۳ ۵

اس بیس سال کے مختصر زمانہ میں دنیا ایسے ایسے صبر آزما انقلابات سے
دوچار ہوئی کہ جو قیون اولے میں ہزار ہزار سال کے فصل سے رونما ہوتے
تھے اور ہر انقلاب کے بعد دنیا اپنے ماضی کو محو کر کے از سر نو آغاز کرتی
تھی۔ تقریباً اسی قسم کے انقلابات اس اثنا میں بھی ہو گزرے۔ مگر مولانا
کا داغ مفارقت آج بھی روزِ اول کی طرح تازہ ہے اور ہدائے ماتم آج
بھی فضا میں گونج رہی ہے۔

منعم حقیقی کی بارگاہ میں دعا ہے کہ محرابِ ادب کو ادبِ قوم کی وہ تمام خدمات
انجام دینے کی توفیق عطا فرمائے، جن میں اُس کی اُس کے حبیب کی اور
قائدِ اعظم کی خوشنودی مضمر ہے۔ آمین حبیبی اللہ و نعم الوکیل

غلامان

محرابِ ادب

پیش لفظ

حباب ادب کی فرمائش ہے، کہ ”گنجینہ جوہر“ میریں، بطور پیش لفظ چند سطروں پر قلم کروں۔ میرے لیے مولانا مرحوم سے تلمذ کا شرف ہی کچھ کم مایہ ناز نہ تھا۔ اللہ کا شکر ہے کہ گنجینہ جوہر میں قلمی شرکت کا بھی مجھے فخر حاصل ہوا۔ حقیقت یہ ہے کہ آج میری وہ آرزو برآئی جو مدت سے میرے دل میں کروٹیں مے رہی تھی۔ اس باب میں حباب کی یہ سعی مشکور قابل تحسین و ستائش ہے کہ ادارہ موصوفاتِ وقت کی ضرورت کو محسوس کیا اور اسے بطور حسن علی جامعہ مبنیاً اختیار کر لیا جس انجالیقین۔

قدوائی صاحب نے بھی دیباچہ نگاری اور ترتیب میں وہ جو ہر دکھائے ہیں کہ اپنی جوہر شناسی ثابت کر دکھائی۔ ہر اُمیہ قدوائی صاحب نے جو اشعار منتخب کیے ہیں اور ان کے مختلف زاویوں سے مولانا کی زندگی پر جو روشنی پڑتی ہے وہ اپنی جامعیت کے لحاظ سے حرجیہ قابلِ داد ہے۔

گنجینہ جوہر میں میر تقی قلمی شرکت متقاضی تھی کہ میں بھی مولانا کے چند اشعار بطور انتخاب نقل کرتا، مگر واقعہ یہ ہے کہ مولانا کے

مجموعہ کلام میں انتخاب کی کوئی گنجائش ہی نہیں۔ مولانا کا کلام حشرات و زوائد سے قطعی پاک ہے، کیونکہ مولانا نے بنظر قافیہ بیانی، میدان شعر میں قدم نہیں رکھا، بلکہ واقعات بندی کے لئے ردیف و قافیہ کی آڑ لی اور منضبط شکل میں ہمارے واسطے ایک لازوال سرمایہ فراہم کر دیا، جس سے ہم تا ابد مستفیض ہوتے رہیں گے۔ اس نظریہ کے ماتحت قدردانانِ جوہر کو میں دعوتِ نظر دیتا ہوں کہ دو گنجینہ ہجرت کو از اول تا آخر میرا انتخاب تصور فرمایا کر پورا پورا استفادہ کریں۔ یہی مولانا کی روح پر قیوح کے لئے تحفہء عقیدت ہے۔

میں بارگاہِ ایزدی میں بہیم قلب دعا کرتا ہوں کہ جملہ خواص و عوام دو گنجینہ ہجرت سے فیضیاب ہوں اور حشرِ ادب کو اس کی اشاعت کا سلسلہ جاری رکھنے کا ہمیشہ فخر حاصل رہے۔ آمین۔

(قاضی) فضل اللہ

(وزیر حکومت سندھ پاکستان)

کراچی ۱۸ مارچ ۱۹۵۱ء

ویساچہ

ہم میں سے کون ایسا ہے جو شہیدیت مولانا محمد علی علیہ الرحمۃ سے واقف نہیں؟
 وہ محمد علی جو گل سے گلشن، سنگ سے جوہر، بلال سے بدرینیر ہو لے کو تھا، وہ محمد علی
 جس نے اس بیسویں صدی میں سائنس پرست اور مادیت نواز دنیا کو اپنے
 قول و عمل سے ایک بار پھر صحابہ کرام کی حقیقی اسلامی زندگی کی شان دکھادی
 وہ محمد علی جس کی انگریزی انشا پر وازی پیر اخبار کامریڈ کے صفحات گواہ ہیں۔
 اور جس کی اردو کی قادر الکلامی ایک امر مسلمہ کا درجہ رکھتی ہے۔ وہ محمد علی جو
 فلسفے، فخر اور شیدائے علی تھا۔ ظاہر و باطناً، قولاً و فعلاً، وہ محمد علی جسے تمام اہل
 نے برک کی خطابت، پنولین کی جرات اور میکالے کی طرزِ تحریر و روایت
 فرمائی تھی، وہ محمد علی جسے ہدایتِ خداوندی فرنگ کی کفر و اداویت افزا
 نقائص اسلام کے ایمان افروز و روح پرور ماحول میں لائی بمصداق اس کے
 ”جسے اللہ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا۔“ وہ محمد علی جس نے قوم و
 ملک کی آزادی کی خاطر طرح طرح کی تکلیفیں جھیلیں، نظم و ستم سے یار و یار

کے طعنے سنے، مگر اُن تک نہ کی اور آخر الامر اپنے اسی حصول مقصد میں
جان جال آفریں کو سپرد کی، دیس میں نہیں، پردیس میں، دہلی میں نہیں
لندن میں۔ دوست اور ہے تھے، دشمن ماتم کناں تھے، قدر وال افکار
تھے، نکتہ جیں سو گوار تھے۔

اس مہیوں ہدی میں بڑے صغیر مندوستان و پاکستان کی بساط سیاست پر
علاوہ قابل اعظم محمد علی جناح مرحوم کے رئیس الاحرار مولانا محمد علی مرحوم کو
بہ حیثیت ”مرد مومن“ جواہریت حاصل ہوئی وہ ہرگز ہرگز فراموش و نظر انداز
نہیں کی جا سکتی اور ان کی دفات حسرت آیات پر قوم کا یہ شعر پڑھنا حقیقتاً
بے محل نہیں کہ

ہزاروں سال نرگس اپنی بے لوری پہ روتی ہے

بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ و رپیڈا
(اقبال رح)

”مرد مومن“ کی جوشان ہے، اکن ہے، عظمت ہے، حرمت ہے۔ اس
معیار پر بھی مولانا محمد علی القلص بہ جوہر علیہ الرحمۃ پورے اترنے میں اسکی
مراحت و وضاحت بدرجہ احسن و اکمل کرنی مناسب ہے۔ مومن راضی
بہ رضائے الہی ہوتا ہے، چنانچہ حضرت جوہر فرماتے ہیں :-
ہر رنگ میں راضی برضا ہو تو ہر ادیکھ دینا ہی میں بیٹھتے ہوئے جنت کی نفاذ

ہے سنت ارباب وفا سب رو تو کل
چھوٹے نہ کہیں ہاتھ سے دامان رضا دیکھ

ہم اس کے ہوئے تو پھر اب اس سے کیا عرض
وہ جیت اپنی فوج کو دے یا کہ ہار دے

جو ہر کی چہیتی بیٹی آمنہ بستر مرگ پر شدت کرب سے بے چین اور مقرر
ہے۔ یہ خبر ناخوش اس کے اسیر و محبوس باپ کو حیل خانہ میں پہنچائی جاتی
ہے۔ جسے سن کر وہ رضائے الہی کے آگے سر تسلیم خم کرتے ہوئے چند
اشعار نظم کرتا ہے۔ ان میں سے دو شعر جو ”رضا بقضاء“ کے رنگ میں
ڈوبے ہوئے ہیں ذیل میں نقل کئے جاتے ہیں

ہم کو تقدیر الہی سے نہ شکوہ نہ گلہ
اہل تسلیم و رضا کا تو یہ دستور نہیں
تیری صحت ہمیں مطلوب ہے، لیکن اس کو
نہیں منظور کرتے پھر ہم کو بھی منظور نہیں

موسن کبھی ہر اسال و مالوس نہیں ہوتا۔ چنانچہ حضرت جوہر

فرماتے ہیں :-

دشتِ رہِ غریت میں اکیلا تو نہیں تو
بٹھا کے مہاجر کا تو نقشِ کف پا دیکھ

تو طیرا بایل سے ہرگز نہیں کمزور
بیچارگی پہ اپنی نہ جاشانِ خدا دیکھ

اُس کو کیا خوفِ رہِ ظلمات ہے
جس کی رہِ سرخو خدا کی ذات ہے

ہو نہ مایوس کہ ہے فتح کی تقریبِ شاکست
قلبِ مومن کا مری جان نکھرنا ہے یہی

وہ مومن کے قلب میں راہِ خدا میں جانِ نثار کرنے اور شہید
ہونے کی آرزو بدرجہ اتم پائی جاتی ہے۔ چنانچہ جو ہر کی زبان سے
اُن کے قلب کی ترجمانی ملاحظہ ہو۔

اور کس وضع کی جو یاں ہبسا غور سان بہشت
ہیں کفنِ سحر، شہیدوں کا سنور نہ ہے یہی

یہ جو معیشت کی طرف سے ہے بُلا داد
لڈیک ایک مقل کا صلا میرے لیے ہے

شرخی میں نہیں مستِ خرابستہ بھی کچھ کم
پہر شوخی بخونِ شہد میرے لیے ہے

”مومن“ کے بعض اقوالِ مشین گوئی کا حکم رکھتے ہیں چنانچہ جو سہرینہ
حسب ذیل اشعار بھی اسی نوعیت کے ہیں

بیٹے جی تو کچھ نہ دکھلایا مگر
مر کے جو ہر آپ کے جو ہر کھلے

تم لو نہ ہی سمجھنا کہ تمنا میرے لیے ہے
پہر غیب سے سامانِ بقا میرے لیے ہے

ہے رشک ایک خلق کو جو ہر کی موت پر
یہ اس کی دین ہے جسے پروردگار دے

جو ہر کو مومن ساں خدائے لم یزل ولایزال سے جو تعلق تھا، اس سلسلہ
میں اُن کے چند اشعار کا مطالعہ بھی خالی از حدیسی نہ ہو گا۔
جینا نہ کیا کہ دل میں نہ ہو تیرا آرزو
باقی ہے موت ہی دل بے مدد کے بعد

اک شہرِ آرزو پہ بھی ہونا پڑا فہم
ہل من مزید کہتی ہے رحمتِ خدا کے بعد

میں کھو کے تیری راہ میں دولتِ دنیا
سمجھا کہ کچھ اس سے بھی سوا میرے لئے ہے
توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہے
یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لئے ہے

اللہ کے رستے ہی میں ت اُسے مسما
اکسیر ہی ایک دو امیرے لئے ہے
کیا ڈر ہے جو ہوساری خدائی بھی مخالف
کافی ہے اگر ایک خدا میرے لئے ہے

اُمّتِ احمد کو ہے فضل کی تیرے اُمید
 فضل کی اُمید وار دیکھئے کب تک رہے
 عشق سو وہ نرا، صبر طلب ہے بہت
 صبر ہمارا شعار دیکھئے کب تک رہے
 اک تو جو مہرباں ہو تو ہر اک ہو مہرباں
 ادویوں نہ ہو بلا سے کوئی مہرباں نہ ہو
 ہم کو تو ایک کچھ سے دو عالم میں ہے غرض
 سب بدگماں ہو اگر میں تو بدگماں نہ ہو
 دیر و حرم میں ٹھونڈا کے سب ٹھکائے اُسے
 اب کون کہہ سکے کہ کہاں ہو کہاں نہ ہو

اُس کو یک خوفِ رہِ ظلمات ہے
 جس کی رہِ ہر خود خدا کی ذات ہے

کیا نہ ہوگی میری ہی حاجتِ روا
 جس کا مولے قاضی اچھا جانتا ہے

تیسری رحمت پر ہوجس کا اسرا
اُس کو کیا حزنِ غمِ مافات ہے

ایک ہی در کا بھگائی ہوں مجھے
رک فقط تیرا سہارا چاہیئے

ریگی اٹھ کے یہ اک دن نقاب دیکھو تو
ہمارے رب سے ہمیں سے حجاب دیکھو تو

جی چاہے جہاں بھیج! ہمیں تجھ سے غرض ہے
مالک کا نہ کچھ شکریہ نہ رضواں کی شکایت

”مؤمن“ کی حیثیت سے جو ہر کیہ ہو لائے کل ختم الرسل صلعم سے
جو روحانی ایمانی نسبت تھی وہ شعائر ذیل سے عیاں ہے۔
تشنہ لب ہوں مائتوں سے دیکھو
کب درمے خانہ کو شہر کھلے

کیوں ایسے نبی پر نہ فدا ہوں کہ جو فرماے
 اچھے تو سبھی کے ہیں بڑا میرے لئے ہے
 اسے شافعی محشر جو کہے تو نہ شفاعت
 پھر کون وہاں تیرے سوا میرے لئے ہے

میں اُس پند بھجوں درود و سلام کس مُنہ سے
 کہ جس کے نام غوث اللہ کا سلام آیا

جو ہر بچا پور جیل میں اسیر ہیں۔ فرنگی حکومت نے انھیں اس جرم میں
 مقید کیا کہ وہ اپنے ملک کی آزادی کی خاطر جدوجہد کر رہے تھے اور اس
 حد تک کہ وہ حکومت کی نظر میں خطرناک اور تشویشناک قرار دی گئی۔
 وہاں وہ خواب میں مشرف بہ بیدار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوتے
 ہیں اور خواب سے بیدار ہوتے ہی دو رکعت نماز بطور شکر یہ ادا کرنے
 کے بعد حسب ذیل اشعار موزوں فرماتے ہیں۔

تنہائی کے سبب ہیں تنہائی کی سبب تیں
 اب ہونے لگیں اُن سے خلوت میں ملاقاتیں

ہر آن تسی ہے ہر لحظہ نشئی ہے
 ہر وقت ہے دلجوئی ہر دم میں ملائیں
 کوثر کے تقاضے ہیں نسیم کے ہیں مددے
 ہر روز یہی چہرے ہر رات یہی باتیں
 معراج کی سی جاہل سجدوں میں سیکشیت
 اک فاسق و فاجر میں اور البسی کراہیں
 بے مایہ سہی لیکن شاید وہ بلا بھیجیں
 بھیجی ہیں روز و نکی کچھ ہم نے بھی سوغاتیں

جلے تاسف ہے کہ دنیا نے مولانا محمد علیؒ کو انگریزی اور اردو کا
 بہترین الشا پرداز تسلیم کیا، اُن کی خطابت و سحر بیانی پر انھیں خراج
 تحسین پیش کیا لیکن اُن کی شاعرانہ عظمت سے صحیح طور پر متعارف
 نہ ہو سکی۔ بدیں سبب ان صفحات میں اس امر پر اجمالاً بحث کرنا لازم
 ہے۔

جو ہر کا کلام گو مختصر ہے لیکن جامع۔ اس کا فنی تجزیہ کرنے سے
 اس حقیقت کا بخوبی انکشاف ہو جاتا ہے کہ وہ تصوف کے رنگ
 فلسفہ کے دقائق عشق کی سرسستی، حسن کی دلنوازی، غم کی کلفت

خدا کی عبادت، مسرت کی لذت، ظرافت کی چاشنی، اخلاق کی رہنمائی
سے مجموعی طور پر منصف و مزین ہے۔ یہ الفاظ دیگر اس میں جملہ
اصنافِ سخن مع اپنی تمام تر لطافتوں اور رنگینوں کے جلوہ ریز و عطرین
ہیں۔

جہاں تک رنگِ تغزل کا تعلق ہے۔ جو ہر کے کلام سے
اشعارِ ذیل کو پیش کیا جاسکتا ہے۔

کس زور کی لڑائی تھی اللہ کے کشمکش
تھی رات یاس اور دلِ نا صبور تھما

غیروں سے لطف ہم سے الگ حیف، ہر اگر
یہ بے حجابیاں بھی ہوں عذرِ حیا کے بعد

عزمِ عاشق ہے خود اپنی کامیابی کی دلیل
نام بھی لینا نہ ہرگز کوششِ برباد کا
ہم تو سمجھے تھے کہ بھونگے اور بھی ظلم و ستم
حاصلہ کچھ بھی نہ نکلا آب کی ہیراد کا

حکم کے آگے ترے پہلے بھی اٹھ سکتا تھا
 بارِ احسان اور سرِ پر ہو گیا جب لاد کا
 دعوتِ مژگاں کی بھی جس میں نہ باقی ہو سکت
 ایسے دیولنے کے گھر کیا کام ہے فساد کا
 گر بولے کل نہیں سہی یادِ گل تو ہے
 صیاد لاکھ رکھے قفس کو چمن سے دور

آساں نہ تھا تقرب نہیں تو کیا ہوا
 تیشہ کو کوئی رکھ نہ سکا کوئین سے دور

تم سے بعید تھا کہ بھلا دو اگر چہ ہم
 اک عمر ہو گئی کہ ہوئے انجمن سے دور

تیسرے نگہ نے کر دیا دونوں کا فیصلہ
 پاہم دل و جگر میں یہ تکرار دیکھ کر
 کچھ بھی تو ضبط کر یہ کہشتم سے ہو سکا
 بیل کو فصلِ گل میں گرفتار دیکھ کر

ہم خامدگانِ اہل نظر اور یہ قتل عام
جو رو دستم بھی کرتا ستھکار دیکھ کر
ہر سیدہ آج ہے ترے پیر کا منتظر
ہوا نٹالیے نگہ یار دیکھ کر

بے خوفِ غیر دل کی اگر تر جاں نہ ہو
بہتر ہے اس سے یہ کہ سر سے زبان ہو

شفق کے آج تو یورہی کچھ نر ہے ہیں
نہ ہو کسی کا رخ پر غناب دیکھو تو

جہانِ قفس کیا ترے فرہاد کریں گے
انتی بھی نہ اب خاطر صیاد کریں گے
وہ جس سے کہیں ہم تجھے دلشاد کریں گے
بھوکہ اسے اور بھی برپاد کریں گے

خوش کرنے کو قاتل کے ہم اور اشک ہائیں
ہاں زخمِ جگرِ مہس کے اُسے شاد کرینگے
کہہ لینے دو دل کھول کے تاح کو نہ ٹو کو
بچھو اور بھی شاید ابھی ارشاد کریں گے
ہم جانتے ہیں لطف و عنایات کو اُن کی
ہو گا یہی کچھ اور بھی بے سدا کرینگے

اس قدر احتیاط اے صبیحا
کہ قفس میں بھی پر کرتا ہے

عرش تک جو بے خطا جاتا ہے یہ وہ تیر ہے
غیر سمجھا ہے کہ میری آہ بے تاثیر ہے
ہاتھ تو ہوں گے قلم پر نامہ بر یہ بھی کہا؟
دل چڑا لیتی ہے پہلو سے یہ وہ غمِ تیر ہے
مذکورہ بالا اشعار کا بہ نظر نقی مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا
ہے کہ ان میں اُسنادِ ابنِ جنس جیسی تنگیِ طر فنی اور تشنگی ہے۔
اگر ہم میر و غالب کا سہل متمتع تلاش کریں تو ہمیں جو ہر

کے اشعار مندرجہ ذیل میں ملے گا :-

قیمت نہ پائی کالذت آسشنا
کیسے کہہ دوں تارکب لذات ہے

دل سے ہوتی رہتی ہیں سرگوشیاں
اب بھی اک مشغلہ دن رات ہے

دشمنوں سے گر تلاف ہے تو کچھ
دوستوں سے بھی مدارا چاہیے

گلہ اے دل! ابھی سے کرتا ہے
عشق کا دم اسی پہ بھرتا ہے

جان دیتا ہے عیشِ فانی پر
بس اسی زندگی پہ مرتا ہے

ہیں یہ انداز آزماتے کے
اور ہی ڈھنگ ہیں ستانے کے

پوچھتے کیا ہو بود و باش کا حال
ہم ہیں یا شدے جیل خانے کے

تجھ سے سیکھ کوئی۔ ستم ایجاد
طرز عشاق کے ستانے کے

یہ سگر ٹنا ہے سب بناوٹ کا
منتظر ہیں فقط منانے کے

جو ہر کے کلام میں غالب کا طرز اسلوب، تصویف و فلسفہ
نیز ان کی دقت نظری، وسعت خیال اور ندرت فکر بھی ہے
چنانچہ اشعار ذیل کو اس دعوے کی دلیل کے طور پر پیش کیا
جاسکتا ہے۔

طوافِ کعبہ بھی کر لے شوقِ حورو غملاں میں
جب آخردار کو دیکھا دیرِ باغِ جنتاں پایا

حیاتِ جاوداں کیا خاکِ مٹی مر کے زاہد کو
اُسے تو موت سے پہلے ہی مُشتِ استخوان پایا

ضیاںِ خلد نے آوارہ رکھنا تدنوں، ہسم کو
وہ چھوڑا تب کہیں جا کر درِ سپیرِ مفاں پایا

نہ بھائی ہوگی یتیمیں، یہ وضعِ احتیاط اُس کو
اگر ساقی کو زندہ، تم نے کچھ کچھ سرگراں پایا

ہوا تھا قیدِ فصلِ گل میں جو مرغِ اسکو گلشنِ ثریا
فصل سے چھٹنے ہی صیدِ غمِ حورِ خزاں پایا

جان بھی چیز ہے کوئی کر رکھیں غم سے دریغ
پاسِ اتنا بھی نہ ہو رسمِ وفاداری کا

حشوق ہی باعث تلوین جہاں ہے غافل
تو نے جانا کہ یہ اک شغل ہے بیگاری کا

طفلِ مکتب ہے تیرے سامنے خود چہرہ رخ کہن
کس سے سیکھا ہے یہ اندازِ دل زاری کا؟

ہم معنی ہو س نہیں اسے دل ہوائے دوست
راضی ہو بس اسی میں ہو جس میں بٹائے دوست

ملتی نہیں کسی کو شہد امتحانِ بغیر
دار و رسن کے حکم کو سمجھو صلائے دوست

یعقوب پر فضول ہوسے لوگ خند زن
یاں لامکاں سے آتی ہے بوسۂ قیادِ دوست

چھپتا نہ بزمِ غیسر میں بھی رازِ دل مسگر
دشمن کے آگے کون کہے ماجرا سے دوست

دو ر حیات آئے گا قاتل قضا کے بعد
 ہے ابتدا ہماری تیری انتہا کے بعد

تجھ سے مقابلہ کی کسے تاب ہو وے
 میرا ہونے ہی خوب ہے تیری فنا کے بعد

لذت ہنوز ماندہ عشق میں نہیں
 آتا ہے لطف جرمِ تنہا سزا کے بعد

غیروں پہ لطف ہم سے الگ جیت ہے اگر
 یہ بے حجابیاں بھی ہوں غدرِ جیل کے بعد

ہے رشک کیوں یہ ہم کو سرور دیکھ کر
 دیتے ہیں بادہ ظرفِ قدحِ خوار دیکھ کر

سو تہ دروں سے بھل بکھو لیکن دھواں نہ ہو
 ہے درِ بدوں کی شہزادہ کہ لب پہ نساں نہ ہو

پھر ہر بابِ بشورِ ملامت کے نبردِ عشق
ہاں لے دیاں زخمِ جوابِ الامان نہ ہو

کیا فائدہ گراؤں نے چھپایا بھی دردِ دل
یہ کام جب بنے کہ مژدہ خوںچکاں نہ ہو

کیا کچھ جن کے مائدہ دل کو لخت لخت
تیرا ہی تیرے سینے میں جب میہماں ہو

خوفِ رقیب کا تو یہ عالم اور اُس پر عشق
جب چاہتے ہیں چاہ کا اُن پر گماں ہو

ہے دھل یار کی بھی تمنا کا حوصلہ
ڈر اپنی ہمت کے مع عدم پر گراں نہ ہو

پہلو سے دل کو لیکے وہ کہتے ہیں ناز سے
کیا آئیں نگہ میں آپ ہی جب تیراں نہ ہو

نہ اڑ جائیں کہیں قیدی قفس کے
ذرا پر باندھنا صیاد کس کے

غیر کا خط ہے کہ دل ہے کسی ولدادہ کا
کچھ تو ہے تم نے جو مٹھی میں چھپا رکھا ہے

پرستار کی نکالی ہے انوکھی ترکیب
قلم کا نام سنگرنے حیا رکھا ہے

ایک شہیر ادیب و ناقد کا قول ہے کہ جو ہر کا شعر ذیل ریاض
خیر آبادی کے جملہ کلام پر بھاری ہے۔
کرنا ہی تھا حرام تو پھر وعدہ کس لیے
یہ کیا کہے حلال وہاں ہو یہاں نہ ہو
اور ایک کہنے مشق اہل قلم تو اسے بہت عرصہ تک ریاض ہی
کا فرمودہ سمجھتے رہے۔

امیر میتانی کا رنگ جو سیر کے اشعار ذیل میں جھلکتا ہے
کیوں ہے پرست دیکھ کے ہوش بھول گئے
نیشہ میں رہے پھر می تو گدولوش ہو گئے

ڈرتے ہیں جھک گئے ہوں کی گراں باری کا
تیری رحمت ہے سب میری سبکدوشی کا

بو جھمبہ رنہ اٹھائے کوئی بخشش میں تو کیا
دستگیر آپ جو رحمت ہے گنہگاروں کی

داع جیسی معاملہ بندی اور سلاست زباں جو ہر کے حسبِ میل
اشعار میں نمایاں ہے :-

ہے یہاں نامِ عشق کا لیتنا
اپنے پیچھے بلا لگنا لیتنا
شرطِ تھمر بر نہ ہے سن لے پھر
خامے کو ہاتھ میں دلا لیتنا
نامہِ رشوق اُن کو شوق سے لکھ
غیر کو بھی مسگر دیکھا لیتنا
کل کو بوسے کے واسطے بھی ضرور
شرط ہوگی اُسے جیتنا لیتنا

اگر آئے طیب مرگ ہمیں
دوستوں! ہم کو بھی بلا لیتا

زلف لہنتے دو، ہاں نقابِ را
رُخِ محبوب سے ہٹا لیتا

آج جی بھر کے دیکھ لینے دو
کل کو دل کھول کر ستا لیتا

پہل کی شبِ تہ چھپرے قلمِ ہجر
پر کسی اور دن سنا لیتا

اُن کے در سے زکوٰۃِ حسن اگر
گالیاں بھی ملیں تو کھا لیتا

غیر سے دوستی کرو، لیکن
بہتر ہو کہ روزِ آخر مالِ بیتنا

ایک ہی جام اور یہ سرستی
ساقیا، دیکھو! میں چلا، لینا

کس زور کی لڑائی تھی، اللہ کے کشمکش
تھی رات یاس اور دل ناہیور تھا

نہیں معلوم آئی تھی حیا کم بخت کو کس سے
کہ حسرت نے مرے دامن دل میں آئے منہ ٹھکا

قدیم عشق میں گر اسو گرا
اس کا ڈوبا کہیں ابھرتا ہے

یہ بگڑنا ہے سب بناوٹ کا
منتظر ہیں فقط منانے کے

خود ہی بیٹھے ہیں یاں تو ٹٹھنے کو
اب گئے دن وہ ناز اٹھانے کے

جو ہر کی حبِ ذیلِ غزلِ حمد کے باب میں اساتذہٴ سخن کے کلام
سے لگا کھاتی ہے :-

تجھے تسکینِ دل پایا، تجھے آرامِ جاں پایا
 نہاں بھی ہے تو کیا، تجھ کو جہاں ہونڈا پایا
 ہمیں ہر چیز میں نئی نظرِ بارِ ادا تیری
 وہ کیسے ہو گئے جن لوگوں نے تجھ کو بے نشان پایا
 کوئی نا مہرباں ہو کر ہمارا کیا بگاڑے گا
 کرم تو تیرا ہے ہم پر تجھے تو مہرباں پایا
 نزار وہ مبتلا نا کام بھلا جس کو دنیا سے
 اُسی کو سرِ خرو دیدھا اُسی کو کامراں پایا
 عداوت ہیں جن کے تیرے فصلِ گل سے پردا
 محبت کو تری ہم نے بہارِ بے خزاں پایا
 حرم میں تھا ہر اک کو یونہی تیرے عشق کا دھواں
 جو کی تحقیق تو اکثر وہی عشقِ بتاں پایا
 ہماری جان بھی حاضر ہے اس کے اک اشارے پر
 کہ جس کو اک جہاں آپ ہی جانِ جہاں پایا

کسی کو ڈھونڈنا دیکھو خود اپنے گوشہ دل میں
 تو بس سمجھو کہ اب اُس نے سُرِ غلام کا پایا
 رہا آوارہ و بیرو حرم پہلو سے بیگانہ
 دل اُس کا عرش و کرسی ہو، کہاں ڈھونڈ لیا پایا
 نخلِ خودِ نخلتِ نر دامن سے ہو گئے عاصی
 تری رحمت کو جب دیکھا تو بجز بیسکراں پایا
 جہاں ایماں ہو وہاں کیسے گزرے پوچھنا پایا
 کسی ہوسن کو بھی اسے دل خدایہ سے یاد گراں پایا
 نہیں سرکش کی سرکوبی میں وہ محتاجِ قیادت کا
 اُسی کو چین لیا جس کو ضعیف و ناتواں پایا

جو ہر کے چند اشعار جو قبولیتِ عامہ حاصل کر چکے ہیں سپرِ قلم کئے
 جاتے ہیں۔

قتلِ حسین اصل میں مرگِ یزید ہے
 اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کریم کے بعد

توحید تو یہ ہے کہ خدا احشر میں کہے
یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لئے ہے

جیتے جی تو کچھ نہ دکھ لایا مگر
مر کے جو ہر آپ کے جو ہر کھلے
بلو اطِ معنویت جو ہر کے اشعارِ ذیل اپنا جواب نہیں رکھتے
جب اپنی پوری جوانی یہ آگئی وُنیسا
تو زندگی کے لئے احسری منظم آیا

اُن سے نہ ستم کا نہ تغافل کا گنہ ہے
ہو جاتی ہے ہاں پاکی داماں کی شکایت

آرستہ بنت ہے تو بنیاد ہے ہر خوبی کی
ہو نہ رہی بھی تو دھڑکیا ہے پھر انسان کا ہیں

ہر شے کو لے کے شکر کیا بھی تو کیا کیا
جاں دینے رقت شکر ادا ہو تو چاہیے

رہرو تھا راہِ عشق کا منزل کو پالیا
اب اور کیا نشانِ سری لوحِ مزار ہے؟

مردّت سے تری ہم ہیکسوں کی شرم و جاتی
بھری حقل میں سانی، اک ہی سپاہِ تالی ہے

جو ہر کے یہاں طرافت و طنز کا بھی فقدان نہیں۔ اشعارِ ذیل ملاحظہ

جہول :-

شوکت کا قول ہے وہ تن و لوتن جب نہیں
پھر کیوں گنیں اپنے کو روہانیوں میں ہم

یہ ظلم ہے کہ سب کو کریں ایک ساحلیاں
پاتے ہیں عقل بھی کبھی شر و انہوں میں ہم

کس بو الہوس سے لینے چلے تم بھی دادِ عشق
جو ہر ضرور بھنسنے کی قدرین کی

گھٹیں کیا حبّ ملک و عشق و مذہب
نشے ہیں یہ بھی کیا چاند و چرس کے

”نوحہ و مرثیہ“ کے میدان میں جو ہر کی راہ سب سے
الگ ہے اور اُن کا انداز بھی اچھوتا اور نرالا ہے، سید الشہداء
امام حسینؑ کی شان و شہادت کے بارے میں فرماتے ہیں :-

نوحہ غم سے گھٹاتے نہیں ہم شان حسینؑ
حق ہے شاید کہ شہادت ہی تھی شاہان حسینؑ
آج ہے امتِ حمد کے لئے فخر کا دن
آج کے روز ہوئی فتح نمایان حسینؑ
حشر تک پھوڑ گئے ایک درخشاں مثال
حق پرستوں کو نہ بھولے گا یہ احسان حسینؑ

اُن سے پوچھو کہ جنہیں جان ہوا یا کس عزیز
کم تھی کس جان سے بتلاؤ تمہیں جان حسینؑ
اسی کو سنبھالے شہیدوں نے لہو سے اپنے
سبز و شاداب نہ پھر کیوں ہو گلستان حسینؑ

یاں نہ کلچیں کی رسائی نہ خزاں کا ہے گزر
 غم سے واقف ہی نہیں بیلِ لیسان حسینؑ
 تب سے جاری ہے یہاں صبرِ رضا کا ننگر
 دلِ حاسد کی طرح تنگ نہیں خوانِ حسینؑ
 دولتِ ایشیا کی ملتی ہے یہاں صدیوں سے
 ختم ہونا ہی نہیں کچھ خزاںِ حسینؑ

اپنے ایک صحافتی دبیر نیزہ اور فخلص کارکن کی مرگِ مفاجات پر
 اُن کا قلم معجز رقم یوں اشکیا بری کرتا ہے :-

ابھی مرنے نہ تھا غلامِ حسینؑ
 کوئی دن اور بھی نہ ہوتے
 کچھ تو الغامِ حق پرستی کے
 ہم غریبوں سے بھی لئے ہوتے
 اے مرے رند بارہ حق کے
 ابھی دو چار خم سے ہوتے
 تم تو دس بھی ننگا کر کے چلے
 ز جھلے جگر سے ہوتے

یوں نہ دامن چھڑکے چل دیتے
 تم گر اس بزم کے لئے ہوتے
 تم کو ایسا ہی تھا اگر حیا نا
 چند نعم الیہ دل دیئے ہوتے
 تھی شہادت کی کس قدر بلدی
 کام کچھ اور بھی کئے ہوتے
 خوب کٹا بہشت کا رستہ
 ساتھ ہم کو بھی کر لئے ہوتے

جو ہر کا اپنا بھی طرزِ کلام ہے جو انھیں دوسرے اربابِ فن
 سے ممیز و ممتاز کرتا ہے اور اس باب میں ان کے چند اثناء
 نقل کیے جاتے ہیں :-

الہی شکر تراء پھر مہ صیام آیا
 مہ صیام تہیں عید کا پیام آیا

گھڑی وہ کسی سیارک قوی کل جہاں کیے
 حیرا میں عرش سے اترا عکابِ پیام آیا

چندر روزہ عیش ہے یہ جنت شاد کا
اس طرح ہرگز نہ ہوگا فیصلہ بغداد کا

چھٹی ہے کب چھٹا سے ہو ہر ادائے دوست
دشمن کی دشمنی ہے فقط ابتلائے دوست
دینا تھی دادِ تشنہ لبی یوں حسینؑ کو
کوثر کا اک بہانہ بنی کر بلائے دوست

ہے کس کے یل یہ حضرت جو ہر پرور کشتی
ڈھونڈیں گے آپ کس کا سہارا قہ کے بعد

یا دوطن نہ اُٹے ہیں کیوں وطن سے دور
جاتی نہیں ہے بوسے چین کیا چین سے دور

مست ہے است کہاں اور ہوس کہاں
طرزِ وفا کے غیر ہے اپنے چلن سے دور

کچھ بھی وہاں نہ خنجر قاتل کا بس چلا
روح شہید رہتی ہے نعش و کفن سے دور

لقوے کے بعد خوف کہاں حزن پھر کہاں
عالم ہی اک جوا ہے وہ رنج و جن سے دور

یوں بچ سکو مؤاخذہ ہنر سے تو ہاں
مارو دیارِ غیر میں ہم کو وطن سے دور

لاکھ حربے سہی ہرزاع کے شیطانِ کپس
ڈھال ایمان کی موجود ہو انسان کے پاس

مست سمجھنا انھیں کم مایہ غنی ہیں یہ لوگ
کسزِ حقنی ہے ہر اک صاحبِ ایمان کے پس

یکبارگی ہر تہذیب سے ہو جائے رہائی
جائیں ہمیں جو زنداں سے کہیں باغِ خجائے تک

گھبرائے لگا کہنے ولا تو تو ابھی سے
ہے صبر کی حد بھی کوئی، ہو صبر کہاں تک

جھ سے یہ دیکھی نہیں جاتی تیا ہی کیا کروں؟
کچھ سمجھ ہی میں نہیں آتا الٹی، کب کروں؟
اُس کی رحمت کو تو خود درکار ہے ہر گناہ
ایکے پھر زاہد کا عذر ہے گناہی کیا کروں؟

صبر بھی شبوہ مسلم ہے مگر شکر خدا تو برا سلام سے دل آج بھی بے نور نہیں
تو تو مردوں کو جلا سکتا ہے، قرآن میں کیا
تخرج الٹی من الیت مذکور نہیں

دینا اگر نہ چاہے تو یوں موت تک شے
دینے پہ لیکن اُسے تو پھر یہ شمار دے

کیا نہیں واقف ابھی اسلام کی تاریخ سے
ان مع القسیر ایسی کی سنیا تقصیر ہے

ہے مسلمان کی بس یہی پہچان
کہ فقط اک خدا سے ڈرتا ہے

قولِ مومن ہے اس کے فعل کی شرح
وہ جو کہتا ہے کہ گزرتا ہے

جو کچھ اوپر مذکور ہوا اُس کے علاوہ بھی جو ہر کے کلام میں ادبی
خوبیاں اور شہسری حاسن موجود ہیں اور ایسے ایسے اشعار ہیں
جو اپنا جواب نہیں دیتے لیکن بخوبی طوالت انھیں نظر انداز کی
جاتا ہے۔

ناقدا نہ ذمہ داری کے تحت اس امر کا اظہار بھی ناگزیر ہے کہ
جو ہر کے کلام میں "حسن" کے ساتھ ساتھ "فحش" بھی ہے۔ لیکن
یہ سمجھ لینا انصاف کا فرق ہو گا کہ خود جو ہر کو معاذ و محاسن کی
تفسیر نہ تھی۔ تخیلات کی بلندی اور کلام کی پختگی جو ہر کی زبانِ انی
اور ریشتر فن کا پتہ بخوبی ہے۔ باریں لو ان وہ کہنا ہیجائے ہو گا کہ
صرف جو ہر ہی نہیں مگر ہر شاعر کے کلام میں حسن و فحش کے

دونوں پہلو دست و گریباں ہوتے ہیں۔ استدلال میں حضرت
 داغ دہلوی کا شعر صادق آتا ہے
 تجھ یہ ڈر ہے کہ ایمان لے نہ آئیں لوگ
 خدا کرے غلطی کچھ مرنے سخن میں ہے
 چنانچہ اس اصول پر عمل پیرا ہوتے ہوئے اس کی توضیح و تشریح
 سے اعتنا ہی مناسب ہے۔

مخفی مباد کہ جو ہر کلام مع ناقذانہ حواشی کے بعد تکمیل باب
 ذوق کی خدمت میں مستقبل قریب میں پیش کیا جائے گا۔

اب ہم قارئین کو گنجینہ جوہر سے حسبِ دلخواہ لطف اندوز
 ہونے کی دعوت دیتے ہوئے رخصت ہوتے ہیں۔

دستِ قدوائی

غزل

تفصیف کسودہ بزمہ طالب علمی در علی گڑھ کالج ۱۸۹۷ء

کیوں ہے پرست دیکھ کے مدہوش ہو گئے
 شیشہ میں نے بھری تھی کہ اللہ کا نور تھا
 کس زور کی لڑائی تھی اللہ کے کشمکش
 تھی رات یا اس اور دل نا صبور تھا
 کیوں تاب دید حضرت موسیٰ نہ لاسکے
 کیا پہلوئے عدو کی طرح کوہ طور تھا
 خویش قسمت کے آگے جھکایا نہ سر کبھی
 اس خانہ خراب کو کتنا غرور تھا
 میں تیرا گھر سمجھ کے سہرا گریڑا
 دیکھا جو آنکھ اٹھا سہ کے تو دروازہ دہر تھا

۱۸۹۶ء

مجھے انکار وصلِ غیر پر کیوں کرینہ شک گزرے
 زباں کچھ اور بولے پیر میں کچھ اور کہتی ہے
 ذرا دم لے صبا، پھر سیرِ گلِ دل کھول کر کرنا
 ابھی یہ غذیبِ کم سخن کچھ اور کہتی ہے
 ارادہ تھا یہ نالوں کا ہلا دیں ربحِ مسکوں کو
 مگر اے ہم نفسِ دل کی تھکن کچھ اور کہتی ہے
 یقین آنے کو تو آجائے تیرے عہد و پیمان کا
 تیری آنکھ اے بے وعدہ شکن کچھ اور کہتی ہے
 قضا کس کو نہیں آتی ہے، یونہی تو سب ہی مکتے ہیں
 پر اس مرحوم کی بولے کفن کچھ اور کہتی ہے
 تیری خاطر بھی ہے، مرنے پر پاسِ عدو بھی ہے
 مگر، میں کیا کروں، دل کی جلن کچھ اور کہتی ہے

حرم میں کر تو دے اظہارِ ترکِ میکشی جو ہر
مگر بخت کی بولے دہن کچھ اور کہتی ہے

۱۸۹۸ء

غیر کا خط ہے کہ دل ہے کسی دلدادہ کا
کچھ تو ہے تم نے جو مٹھی میں چھپا رکھا ہے
یہ ستلے کی نکالی ہے انوکھی ترکیب
ظلم کا نام ستگر نے جیا رکھا ہے
آپ آگے ہیں عبادت کو دم نزعِ حیات
جو ہر خستہ میں اب کیے تو کیا رکھا ہے

۱۸۹۸ء

کیا دل نے نکل کر خود ہی استقبالِ پیاں کا
تو اضعِ شرط ہے تب ہی کہنا تھا مہاں کا

ارادہ ہے طوافِ کعبہ کا اُس آفتِ جاں کا
 خدا حافظ مسلمانو! تمہارے دین و ایمان کا
 اُسی کے منتظر ہیں ہم بھی جس کی توہرے بیل
 بہار آنے پہ ہو گا فیصلہ دستِ درگزر کیاں کا
 نکالا پیر سے پردل میں کھا دستِ محبت نے
 خدا کی شان ہے رُتبہ ہے یہ خاتمِ مہیلاں کا
 نہیں معلوم آئی تھی جیسا کمِ نجات کو کس سے
 کہ حسرت نے مرے دامنِ دل میں آ کے مُنہ دھکا کا
 صدائے آفریں سے تیری آنسو چھ گئے دل کے
 مگر پوچھنا تو نے حال کچھ ہے بھی چشمِ گریاں کا
 ابھی تک خیر ہے، لیکن بہار آنے دے اے بیل
 بلالائے گاتیسرے سر پہ ہر غچہ گلستاں کا
 جوں یا قتی ہے اب تک گو تری جھل میں طہا
 کہ رہ رہ کر خیال آتا ہے جو سر کو بنایاں کا

دیگر

خوگر جو رہ تھوڑی سی جہاں اور سہی
 اس قدر ظلم پہ موقوف ہو گیا اور سہی
 خوفِ غماز، عدالت کا خطر، دار کا ڈر
 ہیں جہاں اتنے وہاں خوفِ خدا اور سہی
 عہدِ اول کو بھی اچھا ہے جو پورا کر دو
 تم و فادار ہو تھوڑی سی دفت اور سہی
 جس نے ہنگامہ عدالت کا تیری دیکھا ہے
 اس گنہگار کو اک روز جزا اور سہی
 کشورِ کفر میں کعبہ کو بھی شامل کر لو
 سیرِ عنات کو تھوڑی سی فضا اور سہی

بندگی میں تری سہتے ہی ہیں لو کی لپٹیں
 چند دن کے لئے دوزخ کی ہوا اور سہی
 دین و دل جا ہی چکے جان بھی جاتی ہے تو جاے
 ترکش کفر میں اک تیر قضا اور سہی
 رب عزت کے لئے بھی کوئی رہتے دو خطاب
 ”تم خداوند ہی کہنا“ خدا اور سہی
 حکم حاکم نہ سہی مرگ مفاجات سے کم
 مالک الملک پہ ایماں کی سزا اور سہی
 ہم وفا کیشوں کا ایماں بھی ہے پر دانہ ^{صفت}
 شمع محفل جو وہ کافر نہ رہا اور سہی



دو ر حیات اسے کا قاتل قضا کے بعد
 ہے ابتدا ہماری تری انتہا کے بعد

جیسا وہ گیا کہ دل میں نہ ہو تیسری آرزو

باقی ہے موت ہی دل بے مدعا کے بعد

تجھ سے مقابلہ کی کسے تاب ہے و لے

میسرا لہو بھی خوب ہے تیری حنا کے بعد

ایک شہر آرزو پہ بھی ہونا پڑا خجل

ہل من ہنرِ یزد کہتی ہے رحمت دعا کے بعد

لذت مہنوز مادہ عشق میں نہیں

آتا ہے لطفِ جبرمِ تمنا سزا کے بعد

قتلِ حسین اصل میں مرگِ یزید ہے

اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کر بلا کے بعد

غیروں پہ لطفِ ہم سے الگ حیف ہی اگر

یہ بے حجابیاں بھی ہوں عذرِ حیا کے بعد

مکن ہے نالہ جبر سے رک بھی سکے مگر

ہم پر تو ہے وفا کا تقاضا جفا کے بعد

ہے کس کے بل پہ حضرت جو ہر پہ روشنی
ڈھونڈیں گے آپ کس کا سہارا خدا کے بعد

— ❦ —

چند روزہ عیش ہے یہ جنتِ شداد کا
اس طرح ہرگز نہ ہوگا فیصلہ بغداد کا
شور ماتم کے لیے تیار رکھ گوسش مراد
ہے شرارِ خس یہ ہنگامہ مبارک باد کا
پہلے بھی اکثر وہ نکلا مستحقِ شکرِ حق
جس کو ہم سمجھتے تھے موقعِ شکوہ و فریاد کا
نورِ حق وہ شمعِ نور ہے جو بجھ سکتی نہیں
ہے خدا حافظ چسراغِ گزرا بر باد کا
عسزِ ہم عاشق ہے خود اپنی کامیابی کی دلیل
نام بھی لینا نہ ہرگز کو سشش بر باد کا

ہم تو سمجھتے تھے کہ ہوں گے اور بھی ظلم و ستم
 حوصلہ کچھ بھی نہ نکلا آپ کی بیداد کا
 اس پہ کیا موقوف ہے کہ اور بھی ظلم و ستم
 کچھ بھی باقی ہو جو ظالم حوصلہ بیداد کا
 کمرہ یا قیدِ قفس نے ہم کو آزاد چسمن
 پاس کافی ہو چکا اب خاطرِ صیاد کا
 حکم کے آگے ترے پہلے بھی اٹھ سکتا نہ تھا
 بارِ احساں اور سر پر ہو گیا جلا د کا
 دعوتِ ہزگاں کی بھی جس میں نہ باقی ہو سکت
 ایسے دیوانے کے گھر کیا کام ہے فساد کا
 گیارہویں کو فاتحہ سرد لوادیا کرتے ہیں ہم
 بے اثر اتنا ہی یادِ خفتہٗ بیداد کا
 آج تک ہے ایک کنعانی شہرتِ مصر کی
 فیضِ حسرت کے ہو گا نامِ فیضِ آباد کا

ہو گئے جو ہر یہ کیسے بندہ دایم فریب
شور سنتے تھے بہت ہم "حسرتِ آزاد" کا



ہے رشک کیوں یہ ہم کو سرِ دار دیکھ کر
دیتے ہیں بادہ ظرفِ قدحِ خوار دیکھ کر
خو کردہ ہیں ازل سے تجلیِ تلوار کے
بھیلے گی آنکھ کیا تری تلوار دیکھ کر

آساں پسند یوں سے ہیں بیزار اہلِ عشق
چھانٹا یہ مرحلہ بھی ہے دشوار دیکھ کر
بے جا گئے گایہ رشتہ تسبیحِ ایک دن
دھوکا نہ کھائیو کہیں زنا دیکھ کر

اس شانِ امتیاز کو دیکھو کہ اہلِ کفر
مومن سمجھ رہے ہیں ہمیں خوار دیکھ کر

لہذا ہم رشتہ کی اہلِ وطن کا نشان بڑی

جنسِ گراں تو تھی نہیں کوئی مگر یہ جان
 لائے ہیں ہم بھی رونقِ بازار دیکھ کر
 تیرنگہ نے کر دیا دونوں کا فیصلہ
 یا ہم دل و جگر میں یہ تکرار دیکھ کر
 یہ کیا کہ سجدہ گاہ ہے ہر سنگِ آستان
 گھسنا جیس کو حنائی رخسار دیکھ کر
 کچھ بھی تو ضبطِ گریہ نہ شبنم سے ہو سکا
 بیل کو فصلِ گل میں گرفتار دیکھ کر
 ہم غامگانِ اہلِ نظر اور یہ قتلِ عام
 جو رویتم بھی کر تو بستم گار دیکھ کر
 ہر سینہ آج ہے ترے پریاں کا منتظر
 ہوا انتخابِ نگہ یار دیکھ کر

یادِ وطن نہ آئے ہمیں کیوں وطن سے دور
 جاتی نہیں ہے بوسے چین کیا چین سے دور
 مستیئے الست کہاں اور ہوس کہاں
 طرہِ وفائے غیر ہے اپنے وطن سے دور
 گر بوسے گل نہیں نہ سہی یادِ گل تو ہے
 صیادِ لاکھ رکھے قفس کو چین سے دور
 کچھ بھی وہاں نہ خنجرِ قاتل کا بس چلا
 روحِ شہید رہتی ہے نفسِ وکفن سے دور
 نقوشے کے بعد خوف کہاں حزن پھر کہاں
 عالم ہی اک جدا ہے وہ رنج و غم سے دور
 واعظ کا ارشاد نہ میرا ہے ترکِ کھنجر
 کچھ بھی نہیں ہے ساقیِ توبہ شکن سے دور
 یادِ اسبِ جرمِ عشق سے کب تک سفر ہوا
 مانا کہ تم رہا کئے دار و رسن سے دور

ہے بعد کر بلا سے بھی قسرب یزید بھی
 اور چاہتے ہیں یہ کہ نہ ہوں پختن سے دور
 یوں بچ سکو مویہ خدشا حشر سے تو ہاں
 مارو دیار غیر میں ہم کو وطن سے دور
 آسمان نہ تھا القرب شیریں تو کیا ہوا
 نیشہ کو کوئی رکھ نہ سکا کو بکن سے دور
 مسلم اجل سے دور نہیں روز کر بنا
 رہتا نہیں برات میں دو طہا دلہن سے دور
 منتقار عنایب کو صیت و سسی پٹکا
 مانا کہ گوشش گل ہے لب نالہ زن سے دور
 اللہ سے نور چشم محبت کی جستجو
 نکلا اسیر مصر نہ کچھ بھی وطن سے دور
 ہم تک جو دور جام پھر آئے تو کیا عجب
 یہ بھی نہیں ہے گردش چرخ کہن سے دور

مفتی مفت خوار کو شب کچھ حلال ہے
 بوئے شراب شرک ہو پھر کیوں دہن سے دور
 دستِ دراز کو ترے اے رند با صفت
 رکھے خدا عمامہ شیخِ زمن سے دور
 تاویلِ بڑھ کے اقرب للکفر ہو گئی
 کچھ بھی نہیں ہے شیخِ ترے علم و فن سے دور
 ہیں اتنے لاف و شوق پہ مرعوبِ حسن بھی
 یہ طائفہ عجیب ہے اک مردِ وزن سے دور
 تم تو ہو نذرِ عشق نہ لکھیں وہ مرثیہ
 یہ بات ہے مروتِ اہلِ سخن سے دور
 تم سے بعید تھا کہ بھلا دو اگر چہ ہم
 اک عُمسہ ہو گئی کہ ہوئے انجن سے دور
 شاید کہ آج حسرتِ جوہر نکل گئی
 اک لاشِ تھی پڑی ہوئی گور و کفن سے دور

ہر رنگ میں راضی برضا ہو تو مزا دیکھ
 دُنیا ہی میں بیٹھے ہوئے جنت کی فضا دیکھ
 ہے سنتِ اربابِ وفا صبر و توکل
 چھوٹے نہ کہیں ہاتھ سے دامنِ رضا دیکھ
 دشتِ زہِ غریت میں اکیلا تو نہیں تو!
 بلی کے مہاجر کا تو نقشِ کف پا دیکھ
 تو طیرا بابل سے ہرگز نہیں کمزور
 بیجا رگی پہ اپنی نہ جاشانِ حرا دیکھ
 اس طرح کے جینے میں بھی مرنے کا مزہ ہے
 قسمت میں ہی ہے کہ ابھی راہِ قصا دیکھ
 ہم کہہ نہیں سکتے وہ کریں چارہ گری بھی
 حالِ دلِ بیمِ اربابِ طبیبوں کو سنا دیکھ
 اللہ کے بانگوں کا بھی ہے رنگِ بزمِ الا
 اس سادگی پر شوخیِ خونِ شہدا دیکھ

یہ نور خدا کا ہے بجھائے نہ سمجھے گا
 کچھ دم ہے اگر تجھ میں تو تو بھی بھادیکھ
 سمجھا بھی ہے کچھ تو کہ یہ ہے کس سے تھر
 اللہ کو مان اپنی حقیقت کو ذرا دیکھ
 ہوں لاکھ نطفہ بند عبادت نہیں ہے
 اللہ کے بندوں کو نہ اس درجہ ستادیک
 ہو حسنِ طلب لاکھ مگر کچھ نہیں ملتا
 ہو صدقِ طلب پھر اثر آہ رسا دیکھ
 خوشتری دور روزہ مرا پیاں ہے اللہ
 پا بند چھتا تو ہے تو میری بھی وفا دیکھ
 عجب تو کہاں واں نہیں نیا کا بھی کچھ ٹھیک
 اس کا قربے قبض سے دل تو بھی لگا دیکھ
 سولے کا نہیں وقت یہ ہشیار ہو غافل
 رنگِ فلک پسیر زمانہ کی ہوا دیکھ

تشنہ لب ہوں مدوں سے دیکھئے
کب درے حنائ کو شر کھلے

طاقت پرواز ہی جب کھو چکے
پھر ہوا کیا گر ہوئے بھی پر کھلے

چاک کر سینہ کو پہنچیں ڈال
یونہی کچھ حال دلی مضطر کھلے

رات تلچھڑ تک نہ چھوڑی تب کہیں
راز ہائے بادۂ وسار کھلے

لودہ آہیں نچا جنوں کا قافلہ
پاؤں زخمی، خاک منہ پر، سر کھلے

ہوں جو کثرت ہی کے قائل اُن پہ کیا
راز فتح سبط پیغمبر کھلے

رونائی کے لئے لایا ہوں جہاں
اب تو شاید چہرہ الزور کھلے

اب تو کشتی کے موافق ہے ہوا
نا خدا کیا دیر ہے سنگر کھلے

یہ نظر بندی تو نکلی ردِ سحر

دیدہ ہائے ہوش اب جا کر کھلے

اب کہیں لوطا ہے باطل کا طلسم
حق کے عقدے اب کہیں ہم پر کھلے

اب ہوا ہے ماسوا کا پردہ فاش

معرفت کے اب کہیں دفتر کھلے

فیض سے تیرے ہی اے قیدِ فرنگ

بال و پر نکلے قفس کے دیر کھلے

جیتے جی تو کچھ نہ دکھلایا مگر

مر کے جوہر آپ کے جوہر کھلے

خاک جیسا ہے اگر موت سے ڈرتا ہے یہی
 ہو جس زلیلت ہو اس رجبہ تو مرنے سے یہی
 قلزمِ عشق میں ہیں نفع و سلامت دونوں
 اس میں دُوبے بھی تو کیا پارا اترتا ہے یہی
 قیدِ گیسو سے بھلا کون رہے گا آزاد
 تیری زلفوں کا جو شانوں پہ بکھرتا ہے یہی
 اے اصل تجھ سے بھی کیا خاک رہیگی اُمید
 وعدہ کر کے جو تیرا روز مکرنا ہے یہی
 اے ازل تجھ سے بھی کیا خاک رہیگی اُمید
 ہے کفنِ سرخ شہیدوں کا سونرنا ہے یہی
 حد ہے پستی کی کہ پستی کو بلندی جانا
 اب بھی احساس ہو اس کا تو ابھرتا ہے یہی
 تجھ سے کیا صبحِ تلک ساتھ نبھیکالے غم
 شبِ فرقت کی جو گھڑیوں کا گزرتا ہے یہی

ہونہ مایوس کہ ہے فتح کی تقریب شکست
 قلبِ مومنین کا مری جان نکھرنا ہے یہی
 نقدِ جاں نذر کرو سوچتے کیا ہو جو ہر
 کام کرنے کا یہی ہے تمہیں کرنا ہے یہی

— * —

تم یوں ہی سمجھنا کہ فنا میرے لئے ہے
 پر غیب سے سامانِ بقا میرے لئے ہے
 پیغامِ ملائکہ جو حسینؑ ابنِ علیؑ کو
 خوش ہوں وہی پیغامِ فنا میرے لئے ہے
 یہ جو رہبہشتی کی طرف سے ہے بکراوا
 بسیک! کہ مقتل کا صلا میرے لئے ہے
 کیوں جان نہ دوں غم میں تری جیکہ ابھی سے
 ماتم یہ زمانے میں بسا میرے لئے ہے

میں کھوکے تری راہ میں سیلِ ولتِ دنیا
 سمجھا کہ کچھ اس سے بھی سوا میرے لیے ہے
 توحید تو یہ ہے کہ خُدا حشر میں کہے
 یہ بندہ دو عالم سے نفِ امیر کے لیے ہے
 سُرخِ میں نہیں دستِ جنابت بھی کچھ کم
 پر شومخِ خونِ شہدِ امیر کے لیے ہے
 راجل ہوں مسلمان بعدِ فِرّہ تکبیر
 یہ قافلہ یہ بانگِ درِ امیر کے لیے ہے
 انعام کا عقلی کے تو کیا پوچھتا لیکن
 دنیا میں بھی ایمان کا صلہ میرے لیے ہے
 کیوں ایسے بنی پر نہ فدا ہوں کہ جو فرمائے
 اچھے تو سبھی کے ہیں یزیدِ امیر کے لیے ہے
 اے شافعِ حشر جو کرے تو نہ شفاعت
 پھر کون وہاں تیرے سوا میرے لیے ہے

اللہ کے سہی میں موت آئے مسیحا
 اکیر بھی ایک دو امیرے لئے ہے
 اے چارہ گرد چارہ گری کی نہیں حاجت
 یہ درد ہی داروئے شفا میرے لئے ہے
 کیا ڈر ہے جو ہو ساری حسدانی بھی مخالف
 کافی ہے اگر ایک حسد امیرے لئے ہے
 جو صحبت اغیار میں اس درجہ ہو بیباک
 اس شوخ کی سب خرم و حیا میرے لئے ہے
 بے ظلم بہت عام تر ابھر بھی ستمگر
 مخصوص یہ اندازِ جفا میرے لئے ہے
 ہیں یوں تو فدا برسیہ پر سبھی سیکش
 پر آج کی گھنگور گھٹا میرے لئے ہے

سینہ ہمارا فگار دیکھے کب تک ہے
 چشم یہ خونخوار دیکھے کب تک ہے
 ہم تیرے مانا کہ یاس کفر سے کمتر نہیں
 پھر بھی تیرا انتظار دیکھے کب تک ہے
 اُمّت احمدؐ کو ہے فضل کی تیرے اُمید
 فضل کی اُمید دار دیکھے کب تک ہے
 عشق سو وہ تیرا صبر طلب ہے بہت
 صبر ہمارا شعار دیکھے کب تک ہے
 سب کو یہاں ہے فنا، اک تجھے ہے بقا
 یہ ستم روزگار تو دیکھے کب تک ہے
 حق کی ملک ایک دن آہی رہیگی دے
 گرد ہیں پہاں سوار دیکھے کب تک ہے
 یوں تو ہے ہر سوعیاں آبدِ فضل خزاں
 جو روحِ جن کی بہار دیکھے کب تک ہے

دین پر دنیا خدا کرتے رہے مدّتوں
 کفر پر ایمان بشار دیکھئے کب تک ہے
 رونق دہلی پہ رشک تھا کبھی جنت کو بھی
 پوہی یہ اُجر ادا یار دیکھئے کب تک ہے
 پہلے رہا درد دل مونس جاں مدّتوں
 درد حیرا اب کی یار دیکھئے کب تک ہے
 زور کا پہلے ہی دن نشہ ہرن ہو گیا
 زخم کا باقی خمار دیکھئے کب تک ہے
 ماتم شبیر ہے آمد مہدی تلک
 قوم ابھی سو گوار دیکھئے کب تک ہے

یہ جو زوالا یہ جنت اور ہی کچھ ہے
 یہ ظلم تیس نام حسد اور ہی کچھ ہے

ہوں لائقِ لعنہ پر یہ الزام ہے جھوٹا
 ملزم تو ہوں بے شک پر خطا اور ہی کچھ ہے
 ہو کر تو دعا کا شعلہ بل ہو س کا
 پر شہرہ اخوانِ صفا اور ہی کچھ ہے
 سرکش نہیں باطنی نہیں غدار نہیں ہم
 پر ہم پہ نقا ضائع و فنا اور ہی کچھ ہے
 ہم عیشِ دور و روزہ کے بھی منکر نہیں لیکن
 ایسے شہ کریم و بلا اور ہی کچھ ہے
 خودِ خضر کو مشیر کی اس شہنشاہی سے
 معلوم ہو آتبِ یفا اور ہی کچھ ہے
 ہوتے ہی ہیں بے مہری احباب کی شکوے
 پر قاعدہ صبر و رضا اور ہی کچھ ہے
 تاخیر میں کچھ ہر جہت میں یہ تو بتا دو
 ہے پر نظر وصل بھی یا اور ہی کچھ ہے

اجنار کو ہولتِ اعتزاز مبارک
 انجاءِ محبت میں سزا اور ہی کچھ ہے
 کرنا نہ کبھی ان پہ گماں اہل ہوس کا
 عشاق کی نیت بخدا اور ہی کچھ ہے
 نے سائلِ دولت ہیں نہ عزت کے طلبگار
 اس در کے فیقروں کی صدا اور ہی کچھ ہے
 اس شانِ تہجد سے نہ کھانا کہیں دھوکا
 اللہ کے مجرم کی سزا اور ہی کچھ ہے
 یوں قید سے چھٹنے کی خوشی کس کو نہ ہوگی
 پر ترے امیروں کی دعا اور ہی کچھ ہے
 یہ صدرِ نشینی ہو مبارک تجھے جو ہر
 لیکن صلہ روزِ جزا اور ہی کچھ ہے

فصلِ گل کے متمنی تھے سبھی پر اے چرخ
 کیا ضروری تھا کہ اک مرغ گرفتار بھی ہو
 عشقِ مجنوں کے لئے ناقہ لیتے کے سوا
 شرط یہ بھی ہے کہ اک داری پر خار بھی ہو
 دست و پالستہ ہوں، سائل ہوں اللہ کا
 اس کی حاجت نہیں پھر ہاتھ میں تلوار بھی ہو
 تشنہ کاموں سے ہے خود آج یہ ساقی کو گلہ
 ہم تو دیں پر کوئی اس نے کا طلبگار بھی ہو
 یہ بھی کیا پیروی حق ہے کہ خاموش ہیں سب
 ہاں نالختی بھی ہو منصوبہ بھی ہو، دار بھی ہو
 جاں نروشی کے لئے ہم تو ہیں تیار مگر
 کوئی اس جنسِ گرامی کا حسدِ یدار بھی ہو

وداع رمضان

الوداع اے ماہِ رمضان الوداع
 بہترین غمگاراں الوداع
 تجھ میں اتر آؤ آخری پیغامِ حق
 تو ہی تھا شایانِ قرآن الوداع
 ان دلوں تھا بحرِ رحمت جوش پر
 اے زمانِ عفوِ عسیاں الوداع
 الفراق اے مجلسِ عداوتیں
 مونسِ شبِ زندہ داراں الوداع
 آشکارا تجھ پہ تھا سب رازِ دل
 پردہ دارِ دردِ پیہاں الوداع
 اے

تجھ سے تھیں وابستہ امیدیں تمام

دافعِ صدیاس و حیرانِ الوداع

قیدِ تنہائی کی رونق تجھ سے تھی

اے شریکِ بزمِ زنداں الوداع

نچھڑے ہائے دل شگفتہ تجھ سے تھے

اے بہارِ باغِ ایساں الوداع

دورِ کردی تو نے ظلمتِ قید کی

تجھ سے ہر شب تھا چراغاں الوداع

ہوتے ہیں اب رخصتِ افطار و سحر

مینرِ بانیہلئے مہماں الوداع

سوچنا تھا تجھ کو زادِ آخرت

ہو سکا پر کچھ نہ سماں الوداع

کاروانِ خیر و برکت چل دیا

رہ گئے سب دل میں ارماں الوداع

شدتِ غم سے زباں گربند ہے
 تو یہی کہدے چشمِ گریاں الوداع
 اللہ نے بڑھائی ہے کیا شانِ کلکتہ
 روحِ رسول آج ہے مہمانِ کلکتہ
 شرب کی خاکِ پاک کے ہر ذرہ کیلئے
 سو جان سے فدا ہیں غلامانِ کلکتہ
 ہر سو ہیں لاشہ ہائے شہیدانِ سرخ پوش
 ہے آج کل بہارِ پیمانِ کلکتہ
 تھا چونکہ خارِ راہ سے بے خوف اس لئے
 پھولوں سے بھر دیا گیا دامنِ کلکتہ
 ہے شورِ آسمان و زمیں پر ہٹو، بچو
 ہیں غازیانِ خلدِ شہیدانِ کلکتہ
 اب تک دلوں میں تازہ ہے قالوبلی کی یاد
 البتہ استوار ہے پیمانِ کلکتہ

ہو زورِ کفر و شرک سے مرعوب کس لیے
 اللہ خود ہے جب کہ نگہبانِ کلکتہ
 پہلے سے بڑھ کے آج ہی پہلے تختِ ہند
 کل ملک کی سرانگھوں پہ فرمانِ کلکتہ
 ہے امتحانِ منافق و مومن کا دوستو
 میزانِ حشر بن گئی میزانِ کلکتہ
 سب جلد تر شرکِ صلاۃ و فلاح ہوں
 سن لی ہے اب ہر ایک نے آذانِ کلکتہ
 احسان کی جزا نہیں احسان کے سوا
 اترے گائے کے ساتھ ہی احسانِ کلکتہ
 ہم سنتِ خلیل کے پابند ہوں تو کیوں
 پھولے نہ آگ ہی میں گلستانِ کلکتہ
 تقلیدِ اہل بیت کریں ہم تو کیا عجیب !
 میدانِ کر بلا ہے میدانِ کلکتہ

مسرور خلد میں ہیں شہیدانِ کانپور
 ہوں گے شریکِ بزمِ شہیدانِ کلکتہ
 شبلی سا شخص نہ جسے گریہ کانپور تھا
 لاریب آج تھا وہی شایانِ کلکتہ
 دنیا سے اٹھ گیا مگر اب امتیازِ شعر
 جو تیرا شخص اور ہو مٹا نواں کلکتہ
 لیکن ہے اک خفیف سی نسبت سے کچھ امید
 میں بھی کبھی تھا ایک سلمانِ کلکتہ
 آغازِ کلکتہ تو بیسعر تھا ضرور
 یا رب کہیں نفیب ہو پایاں کلکتہ

استعانت بالصبر

کلمہ حق ہے اگر وردِ زبان دھلی
 میٹ سکے گا نہ کبھی نام و نشان دھلی
 لب پہ آئے نہ کبھی شکوہ جو راعیاں
 ہو زمانے سے الگ طرزِ فغان دھلی
 اللہ اللہ کشادہ ہے رہا صبر و صلوٰۃ
 ہو کے بخوف بڑھیں رہوان دھلی
 سرفروشی کے لیے پیرو جواں ہیں تیار
 آج رونق پہ ہے کس درجہ کاں دھلی
 سنگریزوں سے زیادہ نہیں گولی چھڑے
 یوں رے گا نہ کبھی سیلِ روان دھلی
 حق کے آتے ہی ہوا کعبہ سے باطنِ نصرت
 چند دن اور ہیں ملی میں جتان دھلی

ہائے غلام حسینؑ

ابھی مرنا نہ تھا غلام حسینؑ
 کچھ تو انعام حق پرستی کے
 اے مرے رند بارہ حق کے
 تم تو دل بھی نگار کر کے چلے
 یوں نہ امن چھڑا کے چل دیتے
 تم کو ایسا ہی تھا اگر جانا
 تھی شہادت کی کس قدر جلدی
 خوب کٹا بہشت کا راستہ
 تم ہی زندہ ہو لغویہ بیخیاں
 چند دن اور بھی جئے ہوتے
 آج جو سر ہیں دل کے فاش فروش
 کاشش کچھ اور قافیے ہوتے

۸۳

کلام جدید

27

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
 اہلی شکر تیرا، پھر صیام آیا
 صیام نہیں عید کا پیام آیا
 ہزار ماہ سے بہتر ہے ایک رات اُس کی
 اسی مہینے میں اللہ کا کلام آیا
 گھڑی وہ کیسی مبارک تھی کل جہاں کیلئے
 حیرا میں عرش سے اقراء کا جب پیام آیا
 جب اپنی پوری جوانی پہ آگئی دنیا
 تو زندگی کے لئے آخری نظام آیا
 میں اُس پہ بھیجوں درود و سلام کس سے
 کہ میں کے نام خود اللہ کا سلام آیا
 ہے زندگی تو اسی کی جو مر سٹا دیں
 وہی ہے کام کا اسلام کے جو کام آیا

ہو نفعِ صورتہا رے لیے عدا کے رحیل
 ہوں جاں بلب بھی تو کہہ دے ابھی غلام آیا
 بنی سے ملتے ہی اسلام کا سیر تھا وہی
 جو بن کے کفر کی شمشیر پرے پیام آیا

لاکھ حریے ہی ہر وضع کے شیطان کے پاس
 ڈھال ایمان کی موجود ہوا انسان کے پاس
 ملک سمجھو اسے یا مال، بچا ہے اک دین
 اب تو بس ایک ہی دولت ہے مسلمان کے پاس
 لگتے ہی تیر تمہارا گئی یوں حسان نکل
 بیٹھ کر جاتی گھڑی دو گھڑی مہمان کے پاس
 آزمیت ہے تو بنیاد ہے ہر خوبی کی
 ہو نہ یہ بھی تو دھڑکیا ہے پھر انسان کے پاس

صحبتِ یال ہے اے دل تجھے گھر پہ نصیب
 بھر ترا کام ہے کیا حاجتِ دربان کے پاس
 خواہشیں نفس کی کرتے تو ہو پوری لیکن
 اس سے بہتر نہیں کہ کوئی شیطان کے پاس
 ہم نے دل بھر کے کچھ اس طرح نکلے ارماں
 کہ بھٹکتا نہیں ل جا کے اب ارماں کے پاس
 مت سمجھنا انھیں کم مایہ غنی ہیں یہ لوگ
 کسبِ مخفی ہے ہر اک صاحبِ ایمان کے پاس
 جہ سائی کی بھی کچھ ہوگی تمہیں کو امید
 گالیاں کھاتے تے جا جا کے چور باں کے پاس

کیا ڈھونڈتے ہو فصلِ خزاں میں بہار کو
 ایسے چمن کہاں ہے وہ رنگِ چمن کہاں

کشتوں کو تیرے کس نے کیا ہے سپردِ خاک
 ان میتوں کے واسطے گور و کفن کہاں
 سُننے ہیں یہ بھی ایک بزرگوں کی رسم تھی
 اس دورِ اعتدال میں دار و رستن کہاں
 سُن بیچے خلوتوں میں اناجی کا ادعا
 سولی پہ چڑھ سُنائے وہ اب نعرہ زن کہاں
 فرصت کیسے خوشامدِ شمر و بزمِ بزمِ
 اب ارڈھائے پیرویِ پنجتن کہاں

تنہائی کے سب دن ہیں تنہائی کی ریتیں
 اب ہونے لگیں اُن سے خلوت میں ملاقاتیں
 ہر آن تھی ہے ہر لحظہ تھی ہے
 ہر وقت ہے دلجوئی ہر دم ہیں مداراتیں

کو شر کے تقلدے ہیں سنیم کے وعدے ہیں
 ہر روز یہی چرچے ہر رات یہی باتیں
 معراج کی سی حاصل سجدوں میں ہے کیفیت
 ایک فاسق و فاجر میں اور ایسی کراماتیں
 بے مایہ سہی۔ لیکن شاید وہ بلا بھیجیں
 بھیجی ہیں درودوں کی کچھ میں نے بھی سونائیں
 شیطان کی چالوں سے اب ہو گئے سیاقفت
 اب ہونگی الم شرح ملعون کی سب گھاتیں
 بیٹھھا ہوا توبہ کی تو خیر مت یا کر
 طلتیں نہیں یوں جو ہر اس دلیس کی برساتیں

ساز بھی چاہیے کچھ اپنے اُتار دِوم ذبح
 رقص سبل ہے تو زنجیر کی جھنکار بھی ہو

کم سمجھتے ہیں غلامی کو جو یہ سمجھتے ہیں
 بہت پرستی کا نشاناں دوش پہ زنا بھی ہو
 بہت پرستی کا نشاناں طوقِ غلامی کم ہے
 کیا ضروری ہے کہ قشتہ بھی ہو زنا بھی ہو
 رہے آزاد جو رہتا ہو تمہیں کیا جو ہر
 تم تو زندانی الفت ہو، گرفتار بھی ہو

تمہارے فضل کے بھوکے یقین رکھتے ہیں
 کہ عید آئے گی بے شک مہرِ صیام کے بعد
 ستم سے کچھ نہ ہوا، اب کھلا ستمگر پر
 ابھی کچھ اور بھی باقی ہے قتلِ عام کے بعد
 زمین سے چھٹ گئے جبریل بھی قیامت تک
 کہ وحی بند ہوئی سید الانام کے بعد

تمہیں کروہ تسلیم پہلے خم پئے قتل
کہ سر جھکاتے ہیں سب مقتدی امام کے بعد

سوزِ دروں سے جل بجھو لیکن دھواں نہ ہو
ہے دردِ دل کی شرط کہ لب پر فغان نہ ہو
پھر ہو رہا ہے شورِ صلائے نبیؐ و عشق
ہاں لے رہا ہنِ زخمِ جوابِ الامان نہ ہو
بازارِ جالت فروش میں سودا نہ ہو یہ کیا
گاہک بنے تو جنس تو یہ بھی گراں نہ ہو
اس دردِ لا جواب کی کیونکر کروں دوا
وہ حالِ دلنشیں بھی تو مجھ سے بیان نہ ہو
کیا فائدہ گراؤں نے چھپایا بھی دردِ دل
یہ کام چپ بنے کہ مژدہ خوئیچ کاں نہ ہو

کیا کیجے چن کے ماندہ دل کو نخت لخت
 تیرا ہی تیرے سینے میں جب میہماں نہ ہو
 خوف رقیب کا تو یہ عالم اور اس پہ عشق
 سب چاہتے ہیں چاہ کا ان پر گماں نہ ہو
 ہے وصل یار کی بھی تمنا کا حوصلہ
 ڈر یہ بھی ہے کہ طبع عسوف پر گراں نہ ہو
 پہلو سے دل کو لیکے وہ کہتے ہیں ناز سے
 کیا آئیں گھر میں آپ ہی جب میزباں نہ ہو
 سننے ہی جس کے خلق میں کہرام مچ گیا
 جو ہر وہ تیری ہی نو کہیں داستان نہ ہو
 بے خوف غیر دل کی اگر تر جہاں نہ ہو
 بہتر ہے اس سے یہ کہ سر سے وہاں نہ ہو
 ہوں پہلے ہراس، یہ فتنے رکھیں کسی جگہ
 ڈر ہو وہاں کہ تیری حکومت جہاں نہ ہو

اک تو جو مہرباں ہو تو ہر ایک ہو مہرباں
 اور یوں نہ ہو بلا سے کوئی مہرباں نہ ہو
 ہم کو تو ایک تجھ سے دو عالم میں ہے غرض
 سب بدگماں ہو اگر ہیں تو بدگماں نہ ہو
 دیروں ہر دم میں ڈھونڈ کے سب تھک گئے اسے
 اب کون کہہ سکے کہ کہاں ہو کہاں نہ ہو
 کرنا ہی تھا حرام تو پھر وعدہ کس لئے
 یہ کیا کہ مے علال و ہاں ہو یہاں نہ ہو
 ہمت نہ ہار دے کوئی منزل کے سامنے
 پردہ درگاہوں بھی کوئی ناتواں نہ ہو
 ملنے تو پھر چلے ہو مشیت پناہ سے
 تشقہ کا دیکھو آج جمیں پر نشاں نہ ہو
 ہو ہر اس ایک آل کے لئے اتنے مشغلے
 کی ہے خدا کی چاہ تو عشق تیاں نہ ہو

اُس کو کیا خوفِ رُہِ ظلمات ہے
 جس کی رہبرِ خودِ خدا کی ذات ہے
 نذرِ جاں دیں چل کے طیبہ، اپنے پاس
 اُن کے لائقِ اک یہی سوغات ہے
 قیدِ تنہائی کا لذت آشنا
 کیسے کہدوں تارِ کب لذات ہے
 دل سے ہوتی رہتی ہیں سرگوشیاں
 اب یہی اک مشغلہِ دن رات ہے
 کیا نہ ہو گی میری ہی حاجتِ روا
 جس کا مولے قاضی الحاجات ہے
 تیرے بندے اُن پہ بھاری ہوں تو پھر
 تیرا کیا کہتا تری کیا بات ہے
 تیری رحمت پر ہو جس کا آسرا
 اُس کو کیا حسرتِ سزِ عظیمِ مافات ہے

قیدِ تنہائی میں بھی چھوڑا نہ ساتھ
نفسِ موذی بھی بڑا بد ذات ہے

پرورشِ زمینہ پرستش کا بنے
پھر تو خود عزای ہی خود لال ہے
مکر، خیر الما کریں سے ہے عیث
اپنی چال اور آپ ہی کومات ہے
بنہ تو جائے تو بہ گرنی میں مگر
سوچتا ہوں سامنے برسات ہے

آبِ خدا چاہے ہوئی جاتی ہے خیر
ایسی بھی کیا صورتِ حالات ہے

لے چلے ہیں اُس کی رحمت کا یقیں
اپنی تو صاحبِ یہی اوقات ہے
شمعِ ایماں کو خدا روشن رکھے
قبر میں جو ہر کی پہلی رات ہے

مستحقِ دار کو حکمِ نظر بندی ملا
 کیا کہوں کیسی رہائی ہوتے ہوتے رہی
 تم تو کعبہ کے حداثے پھر نکالے کیوں گئے
 اے بتو کیسی خدائی ہوتے ہوتے رہی

ایک ہی در کا بھکاری ہوں مجھے
 اک فقط تیرا سہارا چاہیے
 دشمنوں سے گرتلطف ہے تو کچھ
 دوستوں سے بھی مدارا چاہیے
 ہے تقاضائے جنون پروردہ در
 خاک اڑانا آشکارا چاہیے
 ہے ونے فِرمودہ غالب کا پاس
 ضبط کا کچھ اور یا را چاہیے

چاکت کر جیب بے ایام گل
بہ سجھ اُدھر کا بھی اُشا را چاہیے

مجھ سے یہ کیسی بھی نہیں جاتی تباہی، کیا کروں؟
کچھ سمجھ ہی میں نہیں آتا، الہی، کیا کروں؟
اُس کی رحمت کو تو خود در کا ہے عذر گناہ
لیکے پھر زاہد کا عذر بے گناہی کیا کروں؟

خون میں ہیں ہو غم عشق کی جو ہر نہ کی
ور نہ دنیا میں کی کچھ نہیں غمخواروں کی
میرے نہو سے خاک وطن لالہ زار دیکھ
اسلام کے چمن کی خزاں میں بہا دیکھ
کیا عشقِ نازم کی بتلاؤں سرگذشت
دار و درستان کا اور بھی انتظار دیکھ

نہ بھائے گانھیں قصہ عزیز و عیشِ رقتِ کا
 یہ کیا کیجے ہمیں نواک یہی افسانہ آتا ہے
 ابھی اے دُستِ وحشت، مت اُلجھ چاکِ گریباں سے
 یہ تھوڑی ببتیاں ہیں، پھر وہی دیرانہ آتا ہے
 یقیناً فصلِ گل میں پھر نکل بھاگا ہے زنداں سے
 وہی شورِ سلاسل ہے، وہی دیوانہ آتا ہے
 ہم اس کی راہ میں مرنے کی دیکھتے رہے راہ
 ذرا سا کام تھا وہ بھی اجل سے ہوتہ سکا
 کر لے معصیتِ رب میں طاعتِ مخلوق
 تری جھٹ سے، ہماری وقتا سے ہوتہ سکا
 پیامِ مرگ ہے پیغامِ یار و مژدہ وصل
 وہ کام اجل نے کیا جو صبا سے ہوتہ سکا
 یہ فقط دو چار دن کی بات ہے
 پھر وہی تو ہے وہی محبتِ دلا

قید ہے قیدِ غلامی، دوسری کی قید کی
دیکھو کب ہو خاتمہ اس قیدِ سیما کا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

کلامِ زمانہ، اسیریِ محبِ پورِ جیل

غزل

رہنگی اٹھ کے یہ اک دن نقاب دیکھو تو
ہمارے رب ہو ہمیں سے حجاب دیکھو تو

سچہ رکھا ہے ہمیں ناتواں، پراتنا بھی

ہے ذوا انتقام شدید العقاب دیکھو تو

کرو نہ فکر کہ یہ زندگی دور و نہ ہے

حلال ہو کے رہنگی شراب دیکھو تو

شفق کے آج تو تیر ہی کچھ نرالے ہیں
 نہ ہو کسی کا رخ پر عتاب، دیکھو تو
 نہیں مواخذہ حشر کا یقین نہ سہی
 مگر قریب ہے یوم الحساب، دیکھو تو
 بس اچلی ہے شب وعدہ اب تو غم نہ کرو
 ہوا ہے زرد رخ آفتاب، دیکھو تو
 ہے قبل مرگ ہی عسکرا دیں کا واہ پلا
 ابھی ہوا ہی کہاں ہے عذاب، دیکھو تو
 وہ دل کو گوشت کا ٹکڑا ہی جان کر سوچیں
 کہ جلی نہ جائے کہیں یہ کیا ہے، دیکھو تو
 تباہ ہو کر تو حیات کا کرو، پہ کیس کو
 کرے تباہ، یہ خانہ خراب، دیکھو تو
 یہ کیا کہا کہ نہیں ہم سے تکیوں کو مفر
 کسی سے پاس نہ ہے شمس المآب، دیکھو تو

بہارِ خونِ شہادت دکھائے جو ہر
خندہ زان میں اور یہ رنگِ شباب بچھو تو

ہم معنی ہو جس نہیں اے دل ہوائے دوست
راضی ہو بس اسی میں ہو جسیں اے دوست

طرے اختیار ہے خود ابتلائے دوست
اُس کے طے نصیب جسے آزمائے دوست

یاں جنبشِ مشرہ بھی گناہ عظیم ہے
چپ چاپ دیکھتے رہو جو کچھ دکھائے دوست

ملتی نہیں کسی کو سزا امتحاں بغیر

دار و رسن کے حکم کو سمجھو صلائے دوست
یعقوب پر فضول ہوئے لوگ خندہ زن
یاں لامکاں سے اتنی ہے بوقتائے دوست

کیا کم تھا ہجیر یار ہی، پھر اُس پہ رشک غیر
دشمن کو بھی حسد نہ کرے بتلائے دوست

ہے روح بھی نثار، بدن بھی نثارِ یار
دل بھی فدائے دوست، ہر گھر بھی فدائے دوست
جو ہر وہ صبر آپ ہی دیگا، اگر ہمیں
ہے اعتبار وعدہ صبر آئے دوست

تھکتی ہے کب چھپائے سے جو سدا دے دوست
دشمن کی دشمنی ہے فقط ایٹلائے دوست

دینا تھی دادِ تثنہ لی یوں حسین کو
کو شر کا اک بہانہ بتی کر بلائے دوست

کیا جائیں کوئے یار میں یوں اذنِ غیر سے
ہے انتظار دیکھئے کب تک بلائے دوست

اُس نغمہ الست کی کچھ روشنی نہ پوچھ
کانوں میں آرہی ہے ابھی تک صد دوست

چھپتا نہ بزمِ غیر میں بھی رازِ دل مسگر
 دشمن کے آگے کون کہے ماجرائے دوست
 دیر و حرم میں کرتے ہو یہ کس کی جستجو
 حیرت کی جا ہے، دوست تو ہے دل میں جاگوست
 اک ہم ہیں خاکِ پا بھی میسر نہیں جنہیں
 یا ایک تھے بھیری کہ پائی ردائے دوست
 جائز ہے وصل و مجر کا کب امتیازیاں
 جو ہر جہانے غیر کو بھو و فائے دست

اس دردِ لادوا کی دوا ہو تو جانیئے
 دستِ مسیح میں یہ شفا ہو لو جانیئے
 کہتے ہیں لوگ، ہے رہِ ظلمات پر خطر
 کچھ دشتِ کربلا سے سوا ہو تو جانیئے

جو دو سناے سانی کو نر کی دھوم ہے
 ہم کو بھی ایک جام عطا ہو تو جانے
 مرنے کو یوں تو مرتے ہیں روز سیکڑوں
 اپنے لیے پیامِ قضا ہو تو جانے
 کہتے ہیں نقدِ جاں جسے ہر عاشقوں پر قرض
 یہ قرض ہم سے بدل ادا ہو تو جانے
 ہر شے کو لے کے شکر کیا بھی تو کیا کیا
 جاں دیتے وقت شکر ادا ہو تو جانے
 دیوانہ ہو جو منکر تہذیب ہو، مگر
 نہ سنتِ شہِ دو سرا ہو تو جانے
 کٹ جائیں گے یہ دن بھی یہاں قیدِ محنت کے
 کم کچھ مگروہاں کی سزا ہو تو جانے
 تیزی ہے اس کی زخمِ جگر کے لیے فقط
 ناخن سے داوہ بندقبا ہو تو جانے

شہد و شرابِ حذر میں یہ چاشنی کہاں؟
 کچھ خونِ دل سے بڑھ کے مزا ہو تو جانئے
 جانے کو یوں تو جاتی ہے تو عرش تک مگر
 حاصل کچھ اس سے، اور سا ہو، تو جانئے
 یوں منہ سے بڑھانے کو کہتے نہیں دعا
 انجامِ ماسد ہی کی دعا ہو، تو جانئے
 سچا ہے اپنا وعدہ جو ہر وہ باقیں
 وعدہ ہمیں سے اپنا وفا ہو تو جانئے

ہم ان قفس کیا تھے فریاد کریں گے
 اتنی بھی نہ اب خاطرِ دستِ ادا کریں گے؟
 وہ جس سے کہیں ہم نے شہاد کریں گے
 سمجھو کہ اُسے اور بھی فریاد کریں گے

جو دشت کہ آرا نگہ سبطِ نبیؐ ہے
 اُس دشت کو لاکھوں ابھی آباد کریں گے
 حریتِ کامل ہے، دلا بندگیِ حق
 وہ تجھ کو غلامی ہی میں آزاد کریں گے
 جو آرزوئے مرگ میں مرتے تھے وہ کشتے
 کس مُنہ سے شکایت تری جلا د کریں گے
 خوش کرنیکو قاتل کے ہم اور اشکِ بہائیں
 ہاں زخمِ جگر ہنس کے اُسے شاکرین گے
 کہہ لینے دو دل کھول کے نا صحر کو نہ ٹو کو
 کچھ اور بھی شاید ابھی ارشاد کریں گے
 ہم جانتے ہیں لطف و عنایات کو اُن کی
 ہو گا یہی کچھ اور بھی بیدار کریں گے
 سب کہتے ہیں اگتا کے مساواتِ جفا سے
 وہ طرزِ بستم اور کب ایجاد کریں گے

ہیں جن کی نگاہوں میں ازل سے نئے جلوے
 وہ آرزوئے حقیقتِ شہاد کریں گے؟
 لے دل! تجھے کچھ نہ یا بھی ہو عرش کا وعدہ؟
 تو یاد کر اُن کو، وہ تجھے یاد کریں گے
 خارج نہ ہو گر حدِ ادب سے تو مین پھوں
 جو ہر، ہمیں کب خوش شہِ بغداد کریں گے

گلہ لے دل! ابھی سے کرتا ہے
 عشق کا دم اسی پہ بھرتا ہے؟
 جان دیتا ہے عیشِ فانی پر
 بس، اسی زندگی پہ مڑتا ہے
 راحتِ جاوداں کو بھول گیا
 کوئی دُسیا میں یہ بھی کرتا ہے

عشق بن گرجے تو خاک جئے

زندہ وہ ہے جو اُن پہ مرتا ہے

نام پر اُس کے سب جو دے بیٹھا

وہی اک ہے جو نام کرتا ہے!

وقفِ مومنین ہے آزمائشِ عشق

اس میں پورا وہی اُترتا ہے

جس کو دنیا نے نامراد کہا

وہی ناکام کام کرتا ہے

ہے مسلمان کی بس یہی پہچان

کہ فقط اک خدا سے ڈرتا ہے

قولِ مومنین ہے اُس کے فعل کی شرح

وہ جو کہتا ہے کہ گذرتا ہے

مطمئن رہ دلا، وہ حسیانِ جہاں

وعدہ کر کے کہیں ٹکرتا ہے

میرے رنگِ کفن کی شوخی دیکھ

یوں ہی عاشقِ ترا سنو رہا ہے

آج کر لہو کر سکو، کل تنگ

کون چیتا ہی، کون مرنے ہے

قصرِ عشق میں گرا سو گرا

اس کا ڈوبا کہیں ابھرتا ہے؟

اس قدر احتیاط اے صیادا

کہ قفس میں بھی پُر کرتا ہے؟

وہی ن ہر ہمارے عید کا دن

ہو تری یاد میں گزرتا ہے

میرے اسلام کا بھلا جو فکر

نہیں بڑھ کر کہیں اترتا ہے

مرا یہ شور و ضیاع سب درِ باغِ جنان تک ہے
 فغانِ بلبُلِ نلاں بہارِ بے خزاں تک ہے
 نہیں پالا پڑا، فانیل، تجھے ہم سخت جانوں سے
 ذرا ہم بھی تو دیکھیں تیری جلادی کہاں تک ہے
 تجھے ہے قوتِ بازو پہ غرہ، صبر پر ہم کو
 لگا دے زور تو سارا تیری قہاں تک ہے
 تیکر نے سکھایا ہے، تغافل گر تجھے، ظالم
 تو اپنی بھی پہنچ، سُن لے ایکسِ لامکاں تک ہے
 بھلا مالوس کیونکر اُس سے ہو امتِ محمدؐ کی
 کہ جس نصرت کا وعدہ ہر ضعیف و ناتواں تک ہے
 یہ یاد دل کی گرجِ ہر دم، یہ سبلی کی چمکِ سہم
 نمائشِ سب کی سب، بلبل، یہ تیرے اشیائِ تک ہے
 ہمیں ثابت قدم بچکے تو پھر اُس کے قدم اُٹھے
 یہ جبر و قہر کا جادو ہمارے استہان تک ہے

ابھی کیا ہے؟ ابھی اسے دل ہزاروں امتحا ہونے
 ابھی تک اڑے مضبوط غم تیرا زیاں تک ہے
 غنیمت ہو اگر باقی کہیں کچھ پاس مذہب ہے
 ہماری آبرو جو کچھ ہے اس مضمرے نشان تک ہے
 اجابت کیوں نہ آئے عرش میں تافرش اگر جو ہر
 دُعا کا سلسلہ تیرے زیرِ آسماں تک ہے

بیتاب کر رہی ہے تمناؤں کے بٹلا
 یاد آ رہا ہے یاد یہ پیماؤں کے بٹلا
 ہے مقتلِ حسینؑ کی اب تک یہی بہار
 ہیں کس قدر شگفتہ یہ گلہائے کر بٹلا
 اس بارغ میں خنراں کا نہ ہو گا گذر کبھی
 کھیا رنگ نہ دیکھے ابھی دکھلائے کر بٹلا

بنیاد جبر و قہر اشارے میں ہل گئی

ہو جائے کاش پھر وہی ایمائے کر بلا

رو ترازل سے پہنچ ہی اک مقصدِ ریت

چائیکہ کا سکے ساتھ ہی سو ڈائے کر بلا

جو رازِ کیمیا ہے نہاں خاک میں لے

سمجھا ہے خوب ناصیبہ فرمائے کر بلا

مطلبِ فرات سے ہے نہ آبِ حیات سے

ہوں تشنہٴ تنہا دتِ شیرائے کر بلا

کوثر کے انتظار میں ہیں کب سے نقشہٴ کام

مجھ پہ بھی اک نظمِ شہرِ والا لے کر بلا

کرنے کو یوں ہزار کہیں سینہ کو بیاں

ہے چننے ہی کے واسطے ڈنڈے لے کر بلا

جو ہے ہر لمحہ زنجیرِ کھلتی ہے ہر لمحہ

اگر بولیں تو یہ ہے مجھے مل جائے کر بلا

دیگر

ہرگز نہ ہوئے دل غمِ جاناں کی شکایت
 کرتا ہے بھلا کوئی بھی مہساں کی شکایت
 آزاد تھے کب قیدِ غمِ عشق سے؟ ہم کو
 زنجیر کا شکوہ ہے، نہ زنداں کی شکایت
 وہ یہ نہ کہیں گے کہ تمہیں موت نہ آئی
 کس منہ سے کہیں ہم شبِ ہجراں کی شکایت
 مشکور جنوں آپ ہیں حسی ترے، اُن کو
 مہل کا گلہ ہے، نہ بیاباں کی شکایت
 گو صبرِ قیامت کا ہے درکار پر اے دلِ ا
 یاں کفر ہے اُس دشمنِ ایماں کی شکایت
 جی چاہے جہاں بھیج! ہمیں تجھ سے غرض ہے
 مالک کا نہ کچھ شکر، نہ رخصاں کی شکایت

شرمندہ کفن نے کیا اس روجہ کرتا حشر
 آب جیب کا شکوہ ہے، نہ داماں کی شکایت
 تھا اُن کے تصور میں بھی اک وصل کا عالم
 ہو سکتی ہے پھر کیا شبِ ہجران کی شکایت
 کیوں فکری ہو؟ کیا اپنے کبھی دن نہ پھرینگے
 بیکار ہے پھر گردشِ دوراں کی شکایت
 لڑتا ہے ہوا سے بھی کوئی لاکھ خفا ہوا
 بیجا ہے تیری زلف پر لیشاں کی شکایت
 ہیں عشق کے بیمار بھی دُنیا سے نرا لے
 ہے درد کے بدلے اُنھیں داماں کی شکایت
 اُن سے نہ ستم کا نہ تغافل کا ٹکڑہ ہے
 ہو جاتی ہے پاں پاکی داماں کی شکایت
 منظور نہیں جب انہیں خود جلوہ دکھانا
 کیوں کیجئے پھر حاجبِ دریاں کی شکایت

تھانڈا دل ہی سے دل اس جانب جہاں کی
کرتے رہو یوں ابروؤں شرکاء کی شکایت

ہمان دل جو ہر کا بلا اذن سدھارا
پیکاں تو گیارہ گئی پیکاں کی شکایت

عالم میں آج دھوم ہے سچ مبین کی
سُن لی حُدا نے قیدی گوشہ نشین کی

شیطان جلد باز کا جادو نہ چل سکا
تفسیر آج ہو گئی کیدی مستین کی

ایمان واقعی ہو اگر غیب پر تو پھر

ہو آئے ہر اُمید سے حق الیقین کی

ہے نام مصطفیٰ کی یہ برکت کہ پھر خدا

یوں جڑ جا رہا ہے محمدؐ کے دین کی

تیرے کرم نے اور بھی گستاخ کر دیا

اک عرض اور ہے بھی اس مکررین کی

اک گھر ترا یہاں بھی تو ہے اُس کے پاس
 کب لائے گاں سے ہوگی مشیت مبین کی
 ہم کو بھلا عزیز نہ ہو کیوں وہاں کی خاک
 حیدر ملی ہو عرش سے جس سر زمین کی
 اُس آستانِ پاک پہ گھسنا ہے چل کے سر
 سجدوں سے اور بڑھتی ہے رفعت جبین کی
 ہیں سب عرب میں، شام فلسطین اور عراق
 ہے شرط جس کے واسطے صرف ایک دین کی
 بہرِ خُدا یہود و نصاریٰ کو دو نکال
 یہ ہے وصیت اس کے رسولِ امین کی
 وہ انبیاء کا مولد و مدفن سید ہے
 ختم الرسل اور اُس کے ہر اک جانشین کی
 تینوں حرم ہیں اُس کے جو ہر لاشرِ کِلہ
 ترکیب ہے درست یہی ایک تین کی

چودہ برس جو قید رہا ہے رسول کا
 قیمت ہے اپنا خون اسی کی زمین کی
 وہ خود ہی کہہ رہا ہے کہ مانگو درد مگر
 ایک شرط یاد رہے نستین کی
 نائل خُدا کے قہر سے دیٹی نہیں پناہ
 سید سکندری ہو کہ دیوار چین کی
 تعظیم لازمی تھی شہیدوں کی در نہ یوں
 اٹھتی نہ آنکھ خُدا میں ہر حریم کی
 ہے رخسارِ عمر آپ ہی منزل کے اُفتاب
 حاجت ہیں رکاب کی باقی نہ زمین کی
 کھادی کے بعد جیل کا خلعت جہیں ملا
 کرتے نہیں تیسرہ ہوئے ٹہمین کی
 ہے بدترین عذاب یہی اک شریف پر
 یارب کرا بیٹو نہ اطاعت کین کی

کس بلوہوسٹیلنے چلے تم ہی داغِ عشق
جو ہر ضرور بھٹیس نے کی قدر میں کی!

اس نہ کو لے کے عرش سے فتح و ظفر گئی
مظلوم کی دعا بھی کہی بے اثر گئی
اگلی سی سی اب وہ زعم کی طغیانیاں کہاں؟
شب بھر میں کیا بھری ہوئی تندی اُتر گئی
عالم کا رنگ اور سے کچھ راور ہو گیا
ہم بے کسوں کی آہ عجب کام کر گئی!
ناکامیوں سے کامِ محبت کا بن گیا
اک دھات تھی کہ آگ میں پڑ کر نکھر گئی
جب طلعت و سعید، ظلم الورد جمال
چل دیں تو کیا جیئیں کہ طبیعت ہی بھر گئی

مانا کہ یاں تک آنے کی فرصت نہیں انھیں
 پوچھو تو آج موت کہاں جا کے مَر گئی
 اپنی ہی عمر نے نہ وفا کی، وہ کیا کریں؟
 ہم ہو چکے تو ان کو ہماری خبر گئی
 بیکارگی ہو س کے چھٹے سالے مشغلے
 اے دل نگاہ یار یہ کیا سحر کر گئی
 خون شہید و اشک یتیم اب نہیں گراں
 پھر کیوں نہ قدر و قیمت لعلِ گہر گئی
 اے دورِ چرخ کب سم میں میخوار شنب
 سن تو سہی وہ گردش ساغر کہ ہر گئی؟
 صیاد کیا ہوئی وہ تری ہوئے احتیاط؟
 مرغِ خیال کے نہ مرے پر کتہ گئی؟
 تکیں وہ ایسے قفس تھا خیالِ گل
 دو چار دن میں آپ طبیعت ٹھہر گئی

اے یادِ یارِ تیری رفاقت رہی کی یاد
 آئی تھی یاس بھی شبِ حیران مگر گئی
 کہنے نہ پائے وصل کی شبِ تمہارے دل
 ایک داستانِ غم تھی وہی تاحِ سر گئی
 سامانِ زینت و زینتِ تن ہو چکا بہت
 کچھ روح کی سنائے وہ بھی سنور گئی؟

کیوں شہر چھوڑ جا پھنسیں بھائیوں میں ہم؟
 جنوں کے ساتھ ہوں گے ہیا بانیوں میں ہم
 آزاد بھی جمی سے ہیں ہم ہوشیار بھی
 جب سے ہیں اے جنوں نرے زندانیوں میں ہم
 نادانیاں ہزار سہی، دوستو مگر
 دانا بھی ہو گئے انہیں نادانیوں میں ہم

کب شوقِ جامِ در سے ہے یوسف پہا مفرق
 دامانیوں میں تم ہوا گریبانوں میں ہم
 محرم کو حرم سے ہے پر زبِ نصیب !
 داخلِ تواج ہو گئے قُربانیوں میں ہم
 ہنگامے روزِ روز کے خواگر بن گئے
 اب خوش ہیں اُئے دن کی پریشانیوں میں ہم
 واقف نہ تھے کشش سے دلِ بچہ کے عشق کی
 یوسف کر ڈھونڈتے رہے کنہانیوں میں ہم
 تاجِ حیم سے ہیں کچھ کم نہیں جسے
 محسوس کر رہے ہیں پشیمانیوں میں ہم
 گرہے تجھے متاعِ قفس اس قدر عزیز
 صیادِ خوش ہیں تیری نگہبانیوں میں ہم
 پیچھا چھڑالیں دراک اس نفس کی تو پھر
 فارغ ہوں خوب بے سرو سامانیوں میں ہم

بن بن کے روز وصل کے نقتے بگڑ گئے

ایاد پھر بھی ہیں نہیں ویرا میں میں ہم

شوکت کا قول ہے وہ تن و توش جی نہیں

پھر کیوں گنیں اپنے کو روحانیوں میں ہم

یہ ظلم ہے کہ سب کو کریں ایک سا خیال

پاتے ہیں عقل بھی کبھی شر و انیوں میں ہم

ہم زندہ دل ہیں زندہ جاوید، یا کہ خضر؟

بچوں سے اب بھی کم نہیں شیطانوں میں ہم

جو تھیں نہ کیوں یہ رسم کہن زندہ کر چلیں

دار و رسن کے گرچہ نہوں یا نیوں میں ہم

ہیں یہ انداز آزمائے کے

اور یہی ڈھنگ ہیتانے کے

کر بٹا ہے بہانہ کوثر
جائے صدقے اس بتانے کے

گھر چھٹائیوں کہ چھوڑنے والے
تھے نہ ہم اُس کے اُستاد کے

ایک ایک کر کے سب کے سب
کئے برباد آشیانے کے

ف

کچھ دلوں گھر منا مقدر تھا
ساتھ ساتھ اپنے آبِ دانے کے

دیکھئے اب یہ گردشِ تقدیر
کہیں آنے کے ہیں نہ جانے کے

پوچھتے کیا ہو بود و باش کا حال
ہم ہیں باشندے جیل خانے کے

قید میں اور اتنی بے باکی
سب یہ لچھن ہیں مار کھانے کے

سُن بھی لیتا ہے حالِ دل وہ شمع
لگے ہوں ڈھب مگر سُنا تے کے

جان کر قصّہ کچھ سُنے اور اراق
جستہ جستہ مرے فسانے کے

وے کسی اور کو یہ دمِ قاصد
میرے گھر وہ کبھی نہ آنے کے

یتری گردش کہاں گئی اے چرخ
ہم ہیں محروم اک زمانے کے

خونِ عاشقی سے سخت ہیں بیستار
ملک الموت اس زمانے کے

زنگ آلودہ ہو گئے سارے
تھے جو آلاتِ حزن بہانے کے

کھلتے جاتے ہیں راستے لیکن
روزِ دو چار جان جانے کے

تجھ سے سیکھ کوئی ستم ایجاد
 طرز عشاق کے ستانے کے
 کیوں ہو غول ریزہ جس کو گزرائیں
 عاشقوں کا لہو سکھانے کے؟

نازِ فردا ک نہیں، نہ سہی
 سو طریقے ہیں دل جلانے کے
 یہ بگڑنا ہے سب بناوٹ کا
 منتظر ہیں فقط بسنانے کے

خود ہی بیٹھے ہیں یاں تو اٹھنے کو
 اب گئے دن وہ ناز اٹھانے کے
 چلے جو ہر کو چھوڑیے "ناصح"
 منہ لگے آپ کس دوانے کے

لے دل! تجھی کو صبر جو پروردگار دے
 تکلیف کیوں یہ کشمکش انتظار دے
 بیسٹے کو جس کے ڈر ہو یہ وہ ناظر نہیں
 آساں ہے اُس کے واسطے ڈوبے اُبھار دے
 رہا اگر نہ چاہے تو یوں موت تک نہ دے
 دینے پہ لیکن آئے تو پھر بے شمار دے
 راضی ہیں جو رضائے الہی میں اُن کو کیا
 جو چاہے اُن کو گردش لیل و نہار دے
 ہم اُس کے ہوئے تو پھر آب اس کی غرض
 رہ جیت اپنی فوج کو مے یا کہ ہار دے
 تاہم کریں نہ عرض تو ناچار کیا کریں؟
 جب چین ہی نہ ہم کو دل بیقرار دے
 سینی تھکا اُس کو اپنے لہو سے حسین نے
 اب چاہے اس چین کو خزاں سے بہار دے

اے حاملِ شریعتِ کابل ہے سر کی نذر
یا چاہتا ہے بوجھ ہی سے اس نار دے؟

تو کس خیال میں ہے؟ یہ وہ عشق ہی نہیں
اے بواہوس جو فرصتِ بوس و کنار دے
عطین ہی پہ ہو نہ کہیں اکثف کلیم
اس امشتاں پہ آئے تو سر بھی اتار دے

تجھ پر مدارِ فسخ ہے اے دلِ عدو فقط
ہے اس لئے کہ وہ تری چاندی بکھار دے

لغزش نہ ہو جو تیرے ہی پائے ثبات کو
ہے تو ہی کا مایاب رہ ایذا ہزار دے

دے نقدِ جاں تو بادہ کو شرابھی ملے
ساقی کو کیا پڑی ہے کہ یہ نئے اُدھا دے

کستی ہے شغلِ عشق میں پل بھر میں عمرِ مختصر
یہ دل ہی کیا ہیں قید کے لئے دل گزار دے

رہرو تھا راہِ عشق کا سنسزل کو پالیا
اب اور کیا نشان مری لوحِ مزار ہے
ہے رشک ایک خلق کو جو تہر کی موت پر
یہ اُس کی دین ہے جسے پروردگار ہے

شرق باقی گر کسی کے جیب اور اس میں تھا
وہ جنوں نازکھا کا عکس پیراہن میں تھا
بھر دیا فیض جنوں نے اس کا دامانِ مراد
فرق باقی کچھ نہ جس کے جیب اور اس میں تھا
تیسری کو تا ہی ہے اے مست جنوں نہ تار بنا
یہ بھی کیوں اک تار باقی میرے پیراہن میں تھا
گر کے چھوڑا اے جنوں نارسا، زنا و زنا
کیا ہی اک پہلے میرے پیراہن میں تھا

دستِ وحشت سے شکایت پاؤں کے پھالوں کے ہی
 دل میں کھٹکا جا کے ہر وہ تھارِ جود امن میں تھا
 جو رگیں یاد رکھ قیدِ نفس کا غم نہ کر
 چین کب لے بلبلی نالاں تھے گلشن میں تھا
 زادِ تقولے تھا متاعِ کارواں ہر وقت تک
 قافلہ لٹنے کا ڈراما دلِ رہنمائی میں تھا
 یاد آتا ہے جرات میں بھی لطفِ خستگی
 بڑے پیکار کا مزہ کچھ تھوڑا سوزن میں تھا
 رزق تیرا خود تھے بل جائیگا تو غم نہ کر
 وہ تو رزقِ برق ہی تھا جو تیرے خزان میں تھا
 عشق میں تاب و لوٹاں میں رہتی تکلیف دہ
 دور ہو کر رہ گیا جو زورِ میرے تن میں تھا
 یوں علی تو تھی ہی بل اٹھتے نفس کی تیلیاں
 راتِ دیبا کا اڑ بلبلی تیرے شیون میں تھا

اُس کا کعبہ جس کی جانب روئے کرتے تھے نماز
 کیا کہیں گے اُس سے کیونکر قبضہ دشمن میں تھا؟
 تجھ سے دردِ بحر کتنا کون کس کی تھی مجال
 فتنہِ صدِ حشرِ خوابیدہ تری چتون میں تھا
 قاتلِ جوہر کے ہاتھوں سے نہ چھوٹا حشر تک
 کس بلا کا خون ظالم کی رگ گردن میں تھا

ہو کچھ بھی، مگر شورِ سلاسل تو نہیں یہ
 جو ہر کارِ پناہم بسل تو نہیں یہ
 ہے باتِ توجیبِ نزع میں تمکین ہے قائم
 منقل ہے دلا برقص کی محفل تو نہیں یہ
 معمورِ نقاصوں سے ہے شکوہ کا ہے لیریز
 جس دل پہ ہیں نازِ تھاوہ دل تو نہیں یہ

ملے کی غیب ہے لب اتنی بھی رسانی
 وہ پوچھ رہے ہیں کوئی سائل تو نہیں ہے
 ہوں اک سلام تو کیا، فکر ہے اُسکو
 ایمان کی جانب کہیں سائل تو نہیں یہ؟
 کچھ ترکِ محبت تو نہیں ضبطِ نقالی ہے
 ہم کرنے پہ آجائیں تو مشکل تو نہیں یہ؟
 آئی نہ ہوتا نداں میں خبر موسمِ گل کی؟
 سستا تو ذرا شورِ عنادِ دل تو نہیں یہ؟
 ہے وصل کی شب بھی تمہیں لے دی رہی پیرِ فنا
 پہلو میں پڑا رہے دو حائل تو نہیں یہ؟
 یاں قافلہ لٹتا ہی بس اب یہ سچ چل دی دل
 تو آپ ہی کہہ دیکھا کہ منزل تو نہیں یہ
 جا لگنے کے خود ہی پہ سفید کرنے کے فکر
 جہاں کی رٹ ہے کہیں ساحل تو نہیں یہ

بجوں ہے تو کیا عشق کا احساس بھی کھو یا
جس میں تری لیلیٰ ہو وہ محل تو نہیں ہے

عرش تک جو بیٹھا جاتا ہے یہ وہ تیر ہے
غیر سمجھا ہے کہ میسر آہ لے تا تیر ہے
خوگر قید و فدا پر کھل چکا زنداں میں راز
جرم تھی وہ قیدیہ اس جسم کی تعزیر ہے
بے گناہی سے بھی بڑھ کر ہے اگر کوئی گناہ
تو سزا کے عشق پاکر خلیتِ نقیب ہے
چھوڑ میری فکر غافل، رو خود اپنی قید پر
جس کو تو زبور سمجھتا ہے، وہی نہ خیر ہے !
بجن و جنت دونوں کا تیر ہیں انشا کے نام
وہ ازل سے یہ کجست مومن یہ تری تقدیر ہو
دارہی بتی ہے، لے دل زینہ معراج عشق
خواب آغاز حیات کی یہی تعبیر ہے

ہو نہ الجھن جب جنون جامہ کامل نہ ہو
 جب تلک دامن ہے خاردشت امنگیزی
 ہاتھ تو ہونگے قلم پر نامہ بر یہ بھی کہا؟
 دل چڑا لیتی ہے پہلو سے یہ وہ تخریر ہے
 پاداری میں ہر قصروں سے سوا کچی سی قبر
 جو قیامت تک ہے قائم یہ وہ تعمیر ہے
 خون ناحق کا کسی کے شبہ اور قہم پر؟ مگر
 سینہ بوجو ہر مرنے بکھو تو یس کا تیر ہے

مطلع ثانی

قید ہے، جو ہر کہ بیا پور کی تسخیر ہے؟
 گو لکنتے بھی جو جائے تھے تو عالمگیر ہے؟
 اے میا، اس مرض سے کون چاہیگا شفا
 دار پر موت آئے اس کی بھی کوئی تدبیر ہے

اے مسلمان تو تو مسجدِ ملائک تھا کبھی
 پھر یہ شیطان کی غلامی کیوں تری تقدیر؟
 کیا نہیں اُفت ابھی اسلام کی تاریخ سے؟
 اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا، ہی کی سب تفسیر ہے
 ہر جگہ کیوں قرآن اور بھی ہم کو عزیز؟
 اُس میں خود تیری جو جیتی جاگتی تصویر ہے
 دین میں الگ راہ کیسا؟ ہاں اُسے حفظ دیں
 دل میں قرآن، ہر ہمارے ہاتھ میں شمشیر ہے
 لیس للانسان الاماسعی کو یاد رکھو
 کر تو کل پھر تری تدبیری تقدیر ہے
 یا الہی طوق لعنت ہو نہ گردن میں وہاں
 غم نہیں گریباں ہمارے پاؤں میں زنجیر ہے
 سحر کاری سوزِ دل کی داد پانی ہے زباں
 سب یہی کہتے ہیں کیا جادو بھری تقریر ہے

حیف جو ہر اس واسے اور یہ سیم دور جا؟
جو کبھی بخشی نہ جائے گی یہ وہ تقصیر۔

نہ اڑ جائیں کہیں قیدی قفس کے
ذرا پر یا نہ دھتاہتیا د کس کے
نشانِ آشتیاں کیا جس چمن میں
لگے ہوں ڈھیر ہر سو تار و خس نے
ملے اک خم تو میٹانے سے ساقی!
کہ ہم چھوٹے ہوئے ہیں بے برس کے
گراں ہو آب تو شاید سیر گل بھی
کچھ ایسے ہو گئے جو گر قفس کے
ملی ہے قید آزادی کی خاطر
نہ پڑ جائیں کہیں دونوں کے چلنے

جو رہتا چاہے بندِ غم سے آزاد
پھنسے پھندے میں کیوں تارِ نفس کے

بے کہن ملے گی مسجدوں میں
یہ نجانے ہیں تیرے سو برس کے

فرشتوں نے کیا ہے ان کو سجدہ
نہیں لے لیت یہ بندے تیرے بس کے

جو کھو بیٹھا متاعِ عزتِ نفس
برابر ہو گیا موردِ مگس کے

ملے آبِ دیکھئے کب جامِ کوثر ؟
یہاں رہ گئے میکش ترس کے

گھٹیں کیا بت ملک و عشقِ مذہب ؟
ہیں نشے یہ بھی کیا چاندِ ترس کے

جو سچ ہے وعدہِ جودِ تو یہ رستہ
کھلے گا ایک ایک دن حوزِ برس کے

تہیں باقی رہا جب پاس آئیں
مٹے سب تفرقے دزدِ غم کے

چمن تو ہم نے خود چھوڑا ہے گلچیں
گلے پھر کیا کریں قیدِ قفس کے؟

گیا اتنے میں اک تارِ نفس ٹوٹ
تھے جو ہر منتظر اک ہمنفس کے

جنوں ہی سے نہ گریا نکل دلِ دیوانہ خالی ہو

نہ مالوں کا اثر سے نعرہ مستانہ خالی ہو

اثر سے گر کسی کا نعرہ مستانہ خالی ہے

تو پھر سمجھو جنوں سے بھی دلِ دیوانہ خالی ہے

مروت سے تری ہم بیکسوں کی شرم رہتی

بھری محفل میں ساقی اک یہی پیمانہ خالی ہے

وہ اچھا ہی ہے ہی پر اب تو دل لگتا نہیں میں

جو ذکرِ عشق و دردِ ہجر سے افسانہ خالی ہے

یہ حالت ہو گئی، ہی اکساقی کے نہ ہونے سے
 کہ تم کے خم بھرے ہیں سے اور بیجا خالی ہو
 ہماری خاک کو کیا خاک ڈھانکے گا کہ خود تجھ سے
 ابھی سے بوائے الفت سبزہ بیگانہ خالی ہو
 والا بدتر ہے کہیں کہیں پکرتو نہ کہہ بیٹھے
 کہ واپس چل بیجاں سے، اب تو یہ بیجانہ خالی ہو
 تری محفل میں ہے یوں ایک ایک بٹھکے قرآن
 مگر افسوس جائے عاشقِ دیوانہ خالی ہے
 ہمیں فرق اسیری چھوڑتا ہے کب گلستاں میں؟
 قفس میں جیت تک لے عیاں کوئی خانہ خالی ہو
 یہ مانا، ہم لے جو ہر شہر چھوڑا ہے کہاں ہیں
 وہ تیرے دم سے تھا آیا دایرہ خالی ہے

دیگر

قید اور قید بھی تنہائی کی
شرم رہ جائے شکایت کی

سوچتا کیا ہمیں ان آنکھوں سے
شرط حق قلب کی بیٹائی کی

درِ بیت خانہ سے بڑھتے ہی پائے
گرچہ اک عمر مجھیں سائی کی

قیس کو ناقہ لیلیٰ نہ ملا
گو بہت باد یہ پیمائی کی

ہم نے ہر ذرہ کو نچھل پایا
پے یہ قسمت تیرے بھرائی کی

وقف ہو اُس کے لیے جان عزیز
کعبہ کے قادم و سفیدی کی

کعبہ و قدس میں گھر کیا یہ بھی
اک ادا ہے مرے ہر جانی کی

نظر آیا ہمیں ہر چیز میں تو
اُس پر یہ دھوم ہے یکتائی کی

عشق اور جورِ سنگر کا گلہ
حد ہے اے دل یہی رسوائی کی

عقل کو ہم نے کیا نذرِ حقوں
عمر بھر میں یہی دانائی کی

گر گئی زندہ جاوید ہمیں
تیغِ قاتل نے مسخائی کی

ہو نہ تقلیدِ دلا، مقصدِ تیل میں
کہیں موسیٰ سے تمنائی کی

نہ سہی تیغِ تجلی ہی سہی
آٹکھ چھپکے نہ تماشا کی

کل کو ہے پھر وہی زنداں جو ہر
ٹھیک کیا آپ سے سودائی کی

ہے یہاں نام عشق کا لیتا
اپنے پیچھے بلا لگا لیتا

شرط تحریر پہلے سن لے پھر
خامے کو ہاتھ میں ، دلا ، دیتا

نام شوق اُن کو شوق سے لکھ
غیر کو بھی مگر دکھا لیتا

کل کو یوں کے واسطے بھی ضرور
شرط ہو گی اسے جیتا لیتا

اگر آئے طیبِ مرگ کہیں
دوستِ دہم کو بھی بلا لیتا

ہے جو مومن تو بھول کر بھی ولا
نہ کبھی نام ماسوا لیتا

دعوائے توحید کا تو کرتا ہے

نفس کو مت خدا بنا لیتا

ہم پھر میں تجھ سے یہ نہ ہو یا رب
اس سے پہلے ہمیں اٹھٹا لینا

تم کو روزِ جزا کا کیا ڈر ہے

داویدِ حشر کو ملا لیتا!

ورنہ ہے یہ تو یائیں ہاتھ کا کھیل

شاہدوں کو سکھا پڑھا لیتا

ہو ادھر بھی کبھی نگاہِ کرم

ہم غریبوں کی بھی دُعا لیتا

زلفِ رستہ دو ہاں نقابِ ذرا

رُخِ محبوب سے ہٹا لینا

آج جی بھر کے دیکھ لیتے دو
 کل کو دل کھول کر سیتا لیتا
 اس بگڑنے کی کیا سزا ہے دل؟
 شام تک بھرا نہیں ملا لیتا
 وصل کی شب نہ چھیر قطعہ ہجر
 یہ کسی اور دن سٹا لینا
 نہ ہر ہی ہو مگر وہ دیں تو کہیں؟
 بچہ کو لگتا ہے کیسا برا لینا
 اُن کے در سے زکوٰۃ حسن اگر
 گالیاں بھی ملیں تو کھا لیتا
 ساقیا دیکھ تشریف کام نہ جائیں
 ذبح سے پہلے کچھ پلا لیتا
 غیر سے دوستی کرو، لیکن
 پہلے کچھ روز آزمائیتا

طالبِ علم، مزدِ عشق بھی آب
ہو گیا ہے تجھے روالیتا

ایک ہی جام اور یہ سرمستی
ساقیا، دیکھ! میں چلا لیتا

تم کو زبیا نہ تھا و دل کے وقت
آنکھ جو ہرے یوں چڑا لیتا

مژدہ فستح، کہ پیغامِ جناب لایا ہے

پچھتو میرے لیے ماہِ رمضان لایا ہے

میکشو، مژدہ! کہ جس سے یلٹا آتا ہر شب

وہی سوغات پھر آپ پیرِ مہاں لایا ہے

خوش ہیں مرغانِ چین کچھ قفس میں بھی مگر

تو کہان سے ہمیں ارے عشق کہاں لایا ہے

مدخلِ صدق کی تعبیر ہے خود کمرج صدق
 لے بھی جائے گا یہاں سے جو یہاں لایا ہے
 حکمراں خلق پہ ہو گا وہی جس کا مذہب
 خلق کے واسطے عیشِ دو جہاں لایا ہے
 شکوہ صیاد کا یہ ہے قفس میں بلبُل!
 یاں تجھے آپ تراطرزِ فغاں لایا ہے
 عشق تو اپنا خود انجام ہے پھر تو نا صح
 اور اک مسئلہ سود و زیاں لایا ہے
 سعد اسود سے چھٹے شوقِ شہات میں عروس
 لینے جاتا ہے ہمیں زنا سپ سناں لایا ہے
 ہم اسیرانِ قفس کب نہیں ممنون بہار؟
 رنگ پھر آج تو کچھ دردِ نہاں لایا ہے
 کرم غیر کے خوگر تو نہ تھے ہم اے چرخ
 خیر ہے، آج یہ کیا بارِ گراں لایا ہے

تو گر جو رہتے ہم، پر کرم غیب، یہ کیا
کیوں فلک آج یہ کیا بار گراں لایا ہے

دیگر

مطلع اوّل

کافر تنہی اڑائیں خدا کے وعید کی
ساعت نہ یوں ٹلے گی عذاب شدید کی
جب تک کہ دل سے جو نہ ہو کر بلا کی یاد
ہم سے نہ ہو سکے گی اطاعت یزید کی
یہ راہِ قلندر خود ہی نہ بھائے ہیں مسگر
دعوت تو سب کو دیتی ہے تربیت شہید کی
قائل نہ ہم ہوں کیسے مع العسر لیسر کے؟
اے دل، یہ پیام ہے تقریب عید کی

شکر خدا کہ جس نے پس از ظلمتِ فراق

پہلی جھلک دکھائی یہ صبحِ امید کی

کیا دے صلہ صبا کو پیام بہار کا
مرغِ قفس کی جان ہے نذر اس قید کی

سائل کو اذنِ عام ہے اُس بارگاہ میں

کچھ پوچھنا نہیں ہے قریبِ بعید کی

تنہائی کیسی قید میں؟ ہے وہ جو ہم سخن

کر تو تلاوت اُس کے کلامِ عجیب کی

لو جس کو بل گیا اُسے ہر چیز بل گئی

بڑھیا یہ مگر بنتا گئی ہاروں رشید کی

ہے خواب میں بھی حُسنِ ہمیر تجھے حجاب؟

جو ہر کو اُرزو ہی رہی تیری دید کی

مطلع ثانی

گویا سے لاش بھی تو تمہارے شہید کی
 پیہم صدا بلند ہے ہل مین مزید؟ کی
 ہر سنگ در پہ ہم نے جھکانیکے بعد
 بیکار فرش کعبہ کی مٹی پلید کی
 ہیں شوق کی اگر تھی اُمید واریاں
 نوبت کب آئے دیکھے گفت و شنید کی
 رکھ دیکھیں ہم دریغ عظامِ رمیم کو !
 قدرتِ خدا میں کب نہیں خلقِ جدید کی
 لطافت بھی ہیں گر چہ فرنگی محل میں خوش
 بہر بات ہی کچھ اور ہے عبیدِ سعید کی
 محکم نہ ہو دو گانہ سویاں نہ ہوں نصیب
 زنداں میں ہے دو چند خوشی پہر بھی عید کی

اُن کا کرم بھی اُن کی کراستی، درنیوں
کرتا ہے کوئی پیر بھی، خدمت مرید کی

دیگر

مطلعِ اول

تجھ تسکین پا یا، تجھے آرام جاں پا یا
نہاں ہو بھی تو کیا، تجھ کو جہاں ٹھونڈا پا یا
ہمیں ہر چیز میں آئی نظر بار بادا تیری
وہ کیسے ہوئی جن لوگوں نے تجھ کو نشان پا یا
کوئی نامہ ریاں ہو کر ہمارا کیا بگاڑے گا
کرم تو تیرا ہم ہم ہیں تجھے تو ہم ریاں پا یا
نرا وہ بہت سلا ناکام بھی جس کو دیکھا ہے
اسی کو شہر و دیگھا، اسی کو کامراں پا یا

غنادل ہیں چمن کی یک فصل گل سوئے پروا
 محبت کو تری ہم نے بنایا ربے خنزاں پایا
 حرم میں تھا ہر اک کو یوں تیرے عشق کا سووی
 جو کی تحقیق تو اکثر وہی عشقِ بتاں پایا
 ہماری جان بھی حاضر ہے اُس کے اک اشارے پر
 کہ جس کو اک جہاں نے آپ ہی جانِ جہاں پایا
 کسی کو ڈھونڈنا صفادیکھو خود اپنے گوشہ دل میں
 تو بس سمجھو کہ اب اُس نے سرِ رخِ لامکاں پایا
 رہا آوارہ دیر و حرم پہلو سے بیگانہ
 دل اُس کا عرشِ کرسی ہی کہاں ٹھونڈا کہاں پایا
 خجل خودِ خجلیتِ نر و انسی سے ہو گئے عاصی
 تری رحمت کو جب دیکھا تو بحرِ سیراں پایا
 جہاں ایماں ہوواں کیسے گنزر ہو یاں حیراں کل
 کسی مومن کو پہنچاے دلِ نڈھالی بدگماں پایا

نہیں سرکش کی سرکوبی میں نہ محتاجِ وقت کا
 اُسی کو چن لیا جس کو ضعیفِ ناتواں پایا
 وہ ساتی جس نے تلخِ تک نہ رکھی فکرِ فدا میں
 اُسے کو نر پہ ہم نے قبلہ گاہِ میکش پایا
 نہیں معلوم کیا ہو حشر جو بہر کا پرانا ہے
 کہ لسن نام محمد مرتے دم و درِ زباں پایا

سرودِ کیفِ لالتحزن کو لبشرِ عیاں پایا
 اسیرِ قبیلہ تہائی کو مستِ شادماں پایا
 طوافِ کعبہ بھی کر گئے شوقِ حورِ غماں میں
 جب آخردار کو دیکھا دریاغِ جتاں پایا
 کردِ برباد تن کے شوقِ سراسرِ شبانے کے
 کہ ہم نے شاخِ طوبیٰ پر نیا اک آشیان پایا

دلا بخوش ہو نشان ہے اگر تو جو ریح کا
 یہ کیا کم ہر کہ تجھ کو مستحقِ امتحان پایا
 حیاتِ جاوداں کیا خاکِ ملتی مر کے زاپہ کو
 اسے تو موت سے پہلے ہی مہلت استخوان پایا
 خیالِ غلہ نے آوارہ رکھا تلوں ہم کو
 وہ چھوڑا تب کہیں جا کر دیرِ پیرِ مغان پایا
 نہ بھائی ہوگی یہ تکلیں یہ وضعِ احتیاط اس کو
 اگر ساقی کو رند و تم نے کچھ کچھ سرگراں پایا
 ہوا تھا فیزِ فضلِ گل میں جو مرغِ اسکو گلشن میں
 قفس سے چھٹتے ہی صیدِ تم جو ریزاں پایا
 بگر جائیگی تیری ہم سے، سن لے صاف کہ نہیں
 گرا بکے ہم نے لے دل، تجھ کو سرگرمِ فضاں پایا
 سیاحتِ نئی تھی "بھیا"، بھی سیدِ صفا رہا رہاں میں
 نصیب ہے ہرواں بیکہ کہ الیا کارواں پایا

ہماری سب کی آبادی ہی تیرے دم سے آبادی
 بڑھاپے میں بھی ہم نے تیری ہمت کو جواں پایا
 جو ہر حالت میں صبر و شکر ہوں اسلام کے معنی
 تو تجھ کو عالموں کے بڑھ کے اُس کی راز داں پایا
 زمانے کے جو گرم و سرد سے ہو جائے بے پروا
 تو اس کی یاں بھی جنت ہی کہ عیش و دولت پایا
 بصد حرمان اُسے پالیں سمجھ خرابانِ لاش کے
 جسے وہ نیچیاں سمجھے تھے اُس کو سخت جاں پایا
 کبھی جو ہر کچھ ہوں بھی اکہ التفتِ فشانِ لقا
 پر اب کی مار چوڑی کھا تو پوہنی سا دھواں پایا

دیگر

مطلع اول

ڈر نہیں مجھ کو گناہوں کی گواہی یاری کا
 بڑی رحمت ہے سب سیری سبکداری کا
 دار نے اک سگ دنیا کو یہ تختہ عروج
 بے فرشتوں میں بھی چرچامری دینداری کا
 دل و جان سو پچکے ہم تجھے جان جہاں
 اب ہمیں خوف ہی کیا اپنی گرفتاری کا
 جان بھی چیز ہے کوئی کہ رکھیں تم سے دریغ
 پاس اتنا بھی نہ ہو رسم و فاداری کا
 چیز ہی ایسی وہ کیا ہے کہ رکھیں جان دریغ
 کیا اب اتنا بھی نہ ہو پاس فاداری کا

ساقیاسب کو تری ایک نظر نفی کافی
 تھا کہسے ہوش تے عہد میں ہشیاری کا
 میں فدا، آج بھی ہو جائے وہی ایک نگاہ
 خاتمہ ہو کہیں اس دور کی خود داری کا
 تجھ کو کیا فکر ہے؟ کافی ہے تجھے صبر و صلوٰۃ
 حل ہے ہر حال میں سے دل ہی دشواری کا
 عشق ہی باعث تکوین جہاں ہے غافل!
 تو نے جانا کہ یہ اک شغل ہے بیماری کا!
 عاشقوں کے لیے ہر داری دارے شفا
 عشق کی طب میں دوا نام ہے بیماری کا
 اجل ستادہ ہی الیں پہ، مرینِ عجم عشق!
 آنکھ تو کھول نہ راقص ہے بیداری کا
 جو تہرا ورجا جب دریاں کی خوشامد کیا خوب
 عرش و کرسی پہ گزرتے تھے دیراری کا

مطلع ثانی

بل چکا تجھ سے صلہ ہم کو وفا داری کا
 تجھ کو ایانہ سلیقہ کبھی دل داری کا
 طفل نکلتے تھے سامنے خود چہرہ پہن
 کس سے سیکھا ہے یہ انداز دل آزاری کا
 عقل والا کوئی بچپا نہیں بھندے سے تھے
 گو بہت عام ہے شہرہ تری عیساری کا
 ہم کو خود شوق شہادت ہے گواہی کیسی
 فیصلہ کر بھی چکو مجھ پر افساری کا
 میری شہرت بھی اگر ہوگی کو کیا قتل بھی کر
 نام ہو جائے گا تیری بھی ستکاری کا
 کیا قیامت ہے ہر قتل سے شہرت ہی ہی
 نام ہو گا نہ بھلا نہیں رہے ستکاری کا

قابلِ آبِ حیات ہے کیا جامِ شہادت ہے چُک
 ہو گیا وقت کبھی کا مری افطاری کا
 تو ہوا آمادہ جو اے دل تو ہی پھوڑا بھی بیچ
 آزمادہ بیکھ، کہ یہ سب کھیل ہے تیاری کا
 سب ہیں فانی، غم و نینا نہ رہا، ہم نہ ہے
 رہ گیا نامِ غمِ عشق کی غنچہ آری کا
 تو تو ہم سب کو نہیں پھوڑ چلائے جو ہر
 شور سنتے تھے بہت نیری وقاداری کا

ہوئی تقصیر کہ بھولے نہیں ہم عہدِ است
 ہے بجا ہم پہ گرا الزام ہو غمِ داری کا
 جرمِ سنگین، خدا ہی ہے جو ہو جائے نجات
 ہم پہ الزام ہے مذہب کی طرف داری کا
 حاکمِ وقت ہے دنیا کا ہر اے سا غلام
 زعم ہے مور و گس کو بھی عملداری کا
 سرفروشی کے لئے ہم تو ہیں آمادہ مگر
 حوصلہ بھی تو کسی میں ہو خریداری کا
 سب کی ہو کر نہ ہوئی ایک کی تولے دنیا!
 کون گرویدہ ہو تجھ سی زن یا زاری کا
 جو ہر افسوس اکہ زنداں میں بھی چکی نہ ملی
 قید ہو کر بھی ہوں محتاجِ پسہاری کا

دیگر

بس ساتھ تھا اس کا تو رمضان کا یہاں تک
 اب دیکھتے جیتے بھی ہیں اگلے رمضان تک
 کوثر پہ کھلا کیون! اصل آج کا روزہ
 پہنچا نہ دیا ہم کو در پیر معافاں تک
 یکبارگی ہر قید سے ہو جائے رہا فی
 جا پہنچیں جو زنداں سے کہیں باغِ جاں تک
 گھر کے لگا کینڈلا، تو تو ابھی سے
 ”ہر صبر کی حد بھی کوئی؟ ہو صبر کہاں تک
 یا جنینش منزگاں بھی ہے، اک جرم، مگر ہے
 مطلوب تجھے فرصتِ زیاد و قفاں تک
 اقرار ہے ہی مکتبِ تسلیم و رستا کی
 وہ سُر بھی اڑا دیں تو یلانا نہ زباں تک

تو شوق سے کرمِ نہ درِ محطوف سے
 سستی پر ترے واسطے یہ جنسِ گراں تک
 اس یارِ گہِ حُسن کو کیا اس سے سروکار؟
 سرِ جدِ ہوس جاتی ہے بس عشقِ بیتاں تک
 جو ہر ساسِ یہ کار اور انجامِ شہاوت
 اس سے تو کسی کو بھی نہ تھا اس کا لگاں تک

جان توڑے سکتے ہیں نیت نہ ہوں درباروں کی
 ہونہ آب اتنی بھی اوقات و فساداروں کی
 زخمِ دل کا انھیں بھولے سے بھی آیا نہ خیال
 کون لیتا ہے دعا ایسے ملک خواروں کی
 کہہ دو درصواں سے نہیں سایہ طوٹی درکار
 اپنی جنت ہے یہیں چھاؤں میں تلواروں کی
 بوجھ میرا نہ اٹھائے کوئی محشر میں تو کیا
 دستگیر آپ جو رحمت ہے گنہگاروں کی
 ہے ٹھڈ کی شفاعت تو حسد کی رحمت
 حشر کیا عید ہے اُمت کے گنہگاروں کی
 روزِ کچھ مرتے ہیں، پھر بھی نہیں درماں کا خیال
 حالت اچھی ہے ابھی آپ کے بیچاروں کی

سرفروشان جفاکش کے سروں کی قیمت
 اور بھی بڑھ گئی قلت سے خریداروں کی
 کرچکے پانوں تو مہمانی خار صحرا
 سر بھی دعوت گرے اب شہر کی دیواروں کی
 کہہ دو ان گوشہ نشینوں سے بھریں گوشہ قبر
 نہیں دنیا میں جگہ آپ سے پیکاروں کی
 ایک ہی دوہی پر کچھ تو پہنچتیں دل تک
 نوکیں رہ جاتی ہیں پاؤں کیوں خاروں کی
 تودہ خاک بھی ایک قبر کو میری ہے بہت
 اس عمارت کو ضرورت نہیں معماروں کی
 ساقیا! ابر بھی ہے، مے بھی ہو اور تو بھی ہرست
 آج برائیں مرادیں تھے مے خواروں کی
 جب نہیں وعدے کو ایسا سے ذرا بھی سروکار
 پھر کی کیا ہے مہمانی کے لئے اقراہوں کی

نا تمام غزلیں وراشعار متفرق
خود ہمیں میں ہو غم عشق کی جو ہزنہ کی ؟
ورنہ دنیا میں کمی کچھ نہیں غمخواروں کی

میرے لہو سے خاکِ وطن لالہ زار دیکھ
اسلام کے چین کی خسراں میں بہار دیکھ

کیا عشقِ نا تمام کی بتلاؤں سرگزشت
دارورسن کا اور ابھی انتظار دیکھ

۱۔ یہ دراشعار سب آنر میں جلی چھوڑا تو وقت کھمبے سے تاک
ہو اجاب جلی کے معائب کے متعلق سوال کریں ان کو یہ جواب
دیا جا سکے

نہ بھائے گا تمہیں قصہ عزیز! ہمیشہ رفتہ کا
 پہ کیا کیجے، ہمیں تو اک ہی افسانہ آتا ہے
 ابھی اے دستِ وحشت مت الجھ چاکِ گریباں
 یہ تھوڑی بستیاں ہیں پھر وہی ویرانہ آتا ہے
 یقیناً فصلِ گل میں پھر نکل بھاکا ہر زنداں
 وہی شورِ سلاسل ہر وہی دیوانہ آتا ہے

ہم اس کی راہ میں مرنے کی دیکھتے ہے راہ
 ذرا سا کام تھا وہ بھی اجل سے ہو نہ سکا
 کراؤ؟ مصیبتِ رب میں طاقتِ مخلوق
 تری جفا سے، ہماری وفا سے ہو نہ سکا

یہ فقط دو چار دن کی بات ہے
پھر وہی تو ہے، وہی صحبت دلا

قید ہے قیدِ غلامی، دو برس کی قید کیا؟
دیکھو، کب ہوتا تم اس قید سے معاد کا؟

پیام مرگ ہی پیغام یار و مرزہ و وصل
وہ کام اجل نے کیا جو صلت ہو نہ سکا

مجھ سے یہ دیکھی نہیں جاتی تباہی، کیا کروں؟
کچھ سمجھ ہی میں نہیں آتا، الہی کیا کروں؟
اس کی رحمت کو تو خود در کا سچا، عسکر گناہ
لیکے پھر زاہد کا عذر سے لے گناہی کیا کروں؟

پیام مجلسِ دوہائے اسیری

اپنی عزیز بیٹی آمنہ کی علالت پر جسکی اطلاع جیل خانہ میں ملی تھی

میں ہوں مجبوراً پر اللہ تو مجبور نہیں
 تجھ سے میں دور سہی، وہ تو مگر دور نہیں
 اس کی رحمت سے جو مایوس ہو وہ کافر ہے
 ہم تو کل سے کسی وقت بھی معذور نہیں
 امتحان سخت سہی، پردل ہومن ہی وہ کیا
 جو کہ ہر حال میں اُمید سے معمور نہیں؟
 صبر بھی شیوہ مسلم ہے مگر شکر خدا
 نور اسلام سے دل آج بھی بے نور نہیں

ہے دعا اور دو فرض وے حکم خدا
 ٹل سکے یہ کسی بندہ کا بھی مقدور نہیں
 ہم کو تقدیر الہی سے نہ شکوہ، نہ گلہ
 اہل تسلیم و رضا کا تو یہ دستور نہیں
 تیری صحت ہمیں مطلوب ہے لیکن اس کو
 نہیں منظور، تو پھر ہم کو بھی منظور نہیں
 اب دعا بپہ بھی جاری ہو، اگرچہ اس سے
 یوں بھی حال دل مضطر کبھی مستور نہیں

تو تو مُردوں کو جلا سکتا ہو، قرآن میں کیا
 تخرج الحی من المیت مذکور نہیں
 تیری قدرت ہے، خدایا، تیری رحمت نہیں کم
 آمَنَ بھی جو شفا پائے تو کچھ دور نہیں

باپ کے دل کو تو یوسف کی طرح ہو وہ عزیز
 نہ سہی حسن میں گر خلق میں شہو نہیں
 یاں بھی ہے یوسف و یعقوب میں نہ احوال
 میں ہوں محصور گر آپ وہ محصور نہیں
 مرہم ز حسنم مگر آج بھی ہے ہر جیل
 حزن و فراق سے مگر آنکھ میں اب نہیں
 میری اولاد کو بھی مجھ سے ملے یا رب
 تو ہی کہہ دے تری رحمت کا یہ دستور نہیں
 شان رحمت مجھے دکھلا کہ ہر تسکین کا نزول
 دل جو آہر ہے یہ یا رب جیل طور نہیں

نوحہ

نوحہ غم سے گھٹاتے نہیں ہم شان حسینؑ
 حق ہے شاہد کہ شہادت ہی تھی نمایان حسینؑ
 آج ہے امت احمدؑ کے لئے فخر کا دن
 آج کے روز ہوئی فتح نمایان حسینؑ
 حشر تک چھوڑ گئے ایک درخندہ شال
 حق پرستوں کو نہ بھولے گا یہ احسان حسینؑ
 جو افق پر نظر آتا ہے قمر کا ہلال
 ہے ہمارے لئے وہ مہر و نشان حسینؑ
 کریمات کے شہادت کا بی ہے کلمہ
 دین ہے اُٹنی دُعا کا اب ایمان حسینؑ
 شکر حق ہے کہ ابھی حق کی حمایت کیلئے
 جان دینے کو ہیں موجود شامان حسینؑ

ان سے پوچھو کہ جنہیں جان ہو ایمان کے عزیز
 کم تھی کس جان سے تیرا و تمہیں جان حسینؑ
 اس کو سنیچا ہے شہیدوں نے لہو سے اپنے
 سبز و شاداب نہ پھر کیوں ہو گلستان حسینؑ
 یاں نہ گلچیں کی رسائی نہ خزاں کا ہر گزر
 غم سے واقف ہی نہیں بلبل بستان حسینؑ
 شب سے جا رہی ہے یہاں مہرِ رضا کا لنگر
 دلِ حاسد کی طرح تنگ نہیں خوان حسینؑ
 دولتِ اشار کی ملتی ہے یہاں صدیوں سے
 ختم ہوتا ہی نہیں گنجِ ثروان حسینؑ
 حق و باطل کی ہے پیکار ہمیشہ جاری
 جو نہ باطل سے دیں پیر ہی شیطان حسینؑ
 نہیں میدانِ عمل تنگ مسلمان کے لئے
 ہے ہی گوئے حسینؑ اور یہی میدان حسینؑ

جیتے جی تو کچھ نہ دکھلایا مگر
 مرے جوہر آپ کے جوہر کھلے

مجلہ حقوق محفوظ ہیں

ایک ہزار

تعداد اشاعت

۱۰/۱۸

قیمت

محراب ادب کراچی

انتساب

بمطابقت خواہشِ عامہ و بموافقتِ آرزوئے دلی یہ ناچیز
ادبی کاوش عالیجناب معلیٰ القاب الحاج خواجہ ناظم الدین
گورنر جنرل آف پاکستان کے نام بصدِ احترام معنون کرتا
ہوں

گر قبول افتد رہے عز و شرف

احقر

دوست قدوائی

بی۔ اے (علیگ)

فہرس

صفحہ	عنوان
۳	جیتے جی تو کچھ نہ دکھلایا مگر سر کے جوہر آپ کے جوہر کھلے
۵	انتساب
۹	عرض مدعا از ناشران
۱۱	پیش لفظ از عالیحیاب قاضی فضل اللہ صاحب دہلی
۱۳	دیباچہ از دوست قدوائی
۲۹	غزلیات تصنیف کردہ بزبانہ طالب علمی
۷۶	وداع رمضان
۸۱	استعانت بالصبر
۸۲	ہمائے غلام حسین

صفحہ	عنوان
۸۳	کلام جدید (غزلیات متفرق)
۹۹	غزلیات متفرق (زمانہ اسیری بجا پور جیل)
۱۶۳	نا تمام غزلیں اور اشعار متفرق
۱۶۶	پیام مجلس ودعائے اسیری اپنی عزیز بھٹی آمنہ کی حالات پر جس کی اطلاع جیل خانہ میں ملی تھی۔
۱۶۹	نوحہ امام حسینؑ

ان کے تقلید کے دعوے کی کسے جرات ہے
 کہ سکے کون کہ ہیں ہم بھی مریدان حسینؑ
 نام میں اُن کے آبِ فجد سے ہی نسبت تو ضرور
 اور دل سے بھی ہی ہر وقت شناخو ان حسینؑ
 گر شہادت کہیں جو ہر تھمے لجا تو پھر
 ہے کوثر پہ بھی استہ دایمان حسینؑ

شیاطین سے بہار

فہم معنی ناکندہ مستمع قوت طبع اور مستعمل قوت

محراب ادب کی تازہ ترین نشریات میں کتاب اپنی پیشکش ہے
 کے اثبات سے ایک اچھے موضوع کے ساتھ جلوہ گر ہوئی ہے۔ اس کتاب نے
 دینی ادب میں ایک تازہ روح پھونک دی ہے۔ یہ کتاب مجھے خود ہمارے
 دعوے کی نگلی درمیل اور اپنی نظیر آپ ہے۔ اس کی بشمار جزو ہوں میں پہلی جلد
 یہ کہ کیا کائنات وہ چندستان کے تقریباً ۳۶ مشاہیر اپنی قلم حضرات کی جو نگاریوں
 سے مزین ہوئی ہے۔ اور طوفان کہ تمام حضرات نے ایک ہی موضوع پر قلم اُڑانی فرمائی
 ہے اور وہ موضوع ہے **شیاطین** جسے پہلے صفائیں نگاہ حضرات کے جذبات
 گرائی، ماحول فرما کر اس کی بے پناہ اہمیت کا اندازہ لگائیے۔

مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا قلی علی خاں، سر عبد القادر عطاء جلدی، محمد زکریا
 مولانا عبد الحیہ، ڈاکٹر ایم ڈی تاثیر، مولانا نصر اللہ خان، عزیز، میاں بشیر احمد
 حضرت شہزادہ صغریٰ، ڈاکٹر عبد الرحیم، شہزاد ملک، حکیم محمد قمر، سید اللہ علیہ السلام
 حاجی قاری، ڈاکٹر عیاض، حاجی، اصناف دانش، نقیب علی، خلیل نقوی، ڈاکٹر حمید
 عبد القوی، شہزادہ فیض، سید نبی زلی تاج، تیار کا شیری وغیرہ۔

مفتی محمد اسحاق صاحب تمام علماء و اہل آداب و اہل دین و اہل فہم و اہل قوت
 کے لئے یہ کتاب ایک نیا نمونہ ہے۔ یہ ایک کتاب ہے جس میں قلوب کے ستارے
 ہیں۔ **شیاطین سے بہار** ادب و فکر کا ایک نیا نمونہ ہے۔

آگ اور خون

علامہ اقبالؒ کے دل کے گوشوں سے جس سلم کے لئے دعا نکلتی تھی کہ ”خدا تجھے کسی طوفان سے آشنا کر دے“ اور غلام قوموں کے مستحق قرآنِ کریم کا حوالہ دیا کہ تیرے بحر کی موجوں میں اضطراب نہیں ”وقت کے تقاضوں نے ملت اسلامیہ کو ان وقائع سے روشناس کر دیا۔ اور ایسی ہنگامہ آرائیوں کے ساتھ روشناس کیا کہ تاریخ کا ہر نقطہ ایک خوش داستان لئے ہوئے ہے۔ ہر نقطہ کا پس منظر خون کا طوفانی سیلاب ہے جس میں تڑپتی ہوئی شیں بہ رہی ہیں۔ اور دہکتی ہوئی آگ کے شعلے ہیں۔ جن میں یکس اور ستم زدہ مجلس ہے ہیں۔ ملت کی اس طوفانی روشناسی کو ہمارے نوجوان ادیب جناب عارف بٹالوی نے سوزانِ فوجی کا قلم سے ”آگ اور خون“ کا نام دے کر مرتب کیا ہے۔ اسے ایک دلچسپ ناول کہیے یا جبرنگ داستان عہدہ کاغذ پر معنی گرد پوش

قیمت ص ۱۰

مشراب ادب فریر روڈ کراچی

مخواب

یہ کتاب ایک انگریزی مقبول عام نفسیاتی ناول کا اردو ترجمہ ہے
 اظہارِ اسلام صاحبِ قدوسی نے زبانِ دہلی اور زورِ قلم کے وہ
 جو ہر دکھائے ہیں کہ اصل ناول کے مردہ جسم میں جان ڈال دی ہے
 زبانِ قلم کی دو جولانیاں دکھائی ہیں کہ ترجمہ کو تصنیف کر دکھایا
 ہے۔ انسانی زندگی کے نہایت سخت و کڑھت نشیب و فراز ایسے
 دلچسپ پیرایہ میں بیان کئے ہیں اور واقعات کے وہ مناظر پیش کئے
 ہیں کہ مطالعہ عینی مشاہدہ میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ اس کا مطالعہ
 آپ کو محرابِ ادب کے معیارِ اشاعت سے بھی مطمئن کر دے گا۔
 اور اس ادارہ کے قلمی معاونین کے معیار سے بھی۔ ہمیں یقین ہے
 کہ اس کو پڑھنے کے بعد ایک عرصہ تک آپ اس کے کیف و نصف
 کو محو نہ کر سکیں گے۔

قیمت
 للہ

مخواب ادب فریڈرڈ گراچی

کلیات اکبر الہ آبادی

حضرت اکبر مرحوم مغربی تہذیب کے خلفائے ایک چاہد اعظم کی حیثیت رکھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ مغربی طاقت نے ان کی آواز کو ایسا سربمہر کیا کہ اپنے مرکز میں ہی ڈوب کر رہ گئی تھی۔ اور ایک طویل عرصہ کے بعد آج پھر ابھری اور پستلے اتفاق میں ٹوٹ بیٹھی۔ آج ہر جذب اور تعلیم یافتہ قائدانہ کلام اکبر سے استفادہ اصلاح کا قائل ہے۔ کیونکہ آج بھی زندگی کے ہر نشیب و فراز میں اکبر اپنی قوم کو نظرِ فیاض انداز میں خطاب کرتے اور شہری کلاں کے ساتھ تلخ نصیحتوں کا تبرک تقسیم کرتے نظر آتے ہیں۔ آج وقت کا تقاضا یہی ہے کہ کوئی نگہ اور کوئی لائبریری کلیات اکبر سے خالی نہ ہو۔

محمد ارباب ادب فریریدہ لکھنؤ

باقیات فانی

فانی بدایونی کا نام دیناے شعر و ادب میں منجملہ باقیات ہے۔ دوہر

مناظرین کا یہ وہ شاعر عظیم المرتبت ہے جس کا ہر شعر کیفیات جتنی کا ایک

مرفع ہے جس کے نہ ہو نیسے ایک غیر محسوس کی رہتی اور جس کا نہ رہنے کو

ایک ناقابلِ تلافی کمی ہو گئی۔ فانی نے یہ ثابت کر دیا کہ بقائے دوام کیلئے

فنائے مرام لازم ہے۔ اور اس کے بعد پھر بقا ہی بقاء ہے۔

باقیات داخلِ رضا ہوئی باضافہ کلام فارسی قیمت سے

محبوب ادب فریڈرود۔ کراچی

1914 H 41

CALL 2.542 ACC. NO. 1.1.4

AUTHOR 1914 H 41

TITLE 1914 H 41

1914 H 41

1914 H 41

1914 H 41

Date	No.	Date	No.



Maulana Azad Library ALIGARH MUSLIM UNIVERSITY

RULES:—

1. The book must be returned on the date stamped above.
2. A fine of Re. 1-00 per volume per day shall be charged for text-books and 10 Paise per volume per day for general books kept over - due.

